مسلم پرسنل لا نمبر

مع بمبئی کنونشن

نظریات

مادی فلسفہ

کمیونزم

نام نہاد قومی یکجہتی

اسلامی شریعت

قرآن مجید

حدیث شریف

فقہ اسلامی

قیمت: ایک روپیہ

فرقانیہ اکیڈمی کی شاندار لائبریری جو فی الحال ایک ہزار کتابوں پر مشتمل ہے

لائبریری کا ایک حصہ

برائے تبصرہ

جلد ۲ | مارچ و اپریل ۱۹۷۳ء مطابق محرم و صفر ۱۳۹۳ھ | شمارہ ۵، ۶

متعدد قارئین کے تقاضے کے پیش نظر آئندہ سے تعمیر فکر کی قیمت اور ضخامت میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ آئندہ سے عام پرچہ کی قیمت بجائے ۵۰ پیسے کے ۷۵ پیسے ہوا کرے گی اور سالانہ زر اشتراک حسب ذیل ہوگا۔

عام خریداروں سے : آٹھ روپے
ہمدردوں سے : پندرہ روپے
معاونین سے : پچیس روپے
سرپرستوں سے : سو روپے

سرخ نشان: اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا آپ اپنی اولین فرصت میں اگلے سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کر کے مشکور فرمائیں رسالہ وی پی کرنے کی صورت میں خریدار پر مزید سوا روپیہ کا بار پڑتا ہے اگر کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہیں چاہتے تو ہمیں فوری طور پر مطلع کر دیجئے۔ آپ کی طرف سے خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ ہم وی پی کے ذریعہ بھیجیں گے جس کا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر کیجئے۔

ایڈیٹر و پبلشر محمد شہاب الدین ندوی نے ہمدرد پریس بنگلور ۲ میں چھپوا کر
دفتر ماہنامہ تعمیر فکر ۱۶۴ پولیس روڈ، بنگلور ۲ سے شائع کیا۔

مسلم پرسنل لا نمبر کے مندرجات

ایک سمپوزیم : موجودہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے کیا تدابیر ہوسکتی ہیں؟ اس موضوع پر آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیے۔ اِن شاءاللہ ہم آپ کے خیالات کو ہمارے اگلے شمارے "مسلم پرسنل لا نمبر حصۂ دوم" میں شائع کریں گے۔

اڈیٹر ماہنامہ تعمیر فکر، ۱۶۴ پولیس روڈ، بنگلور ۲
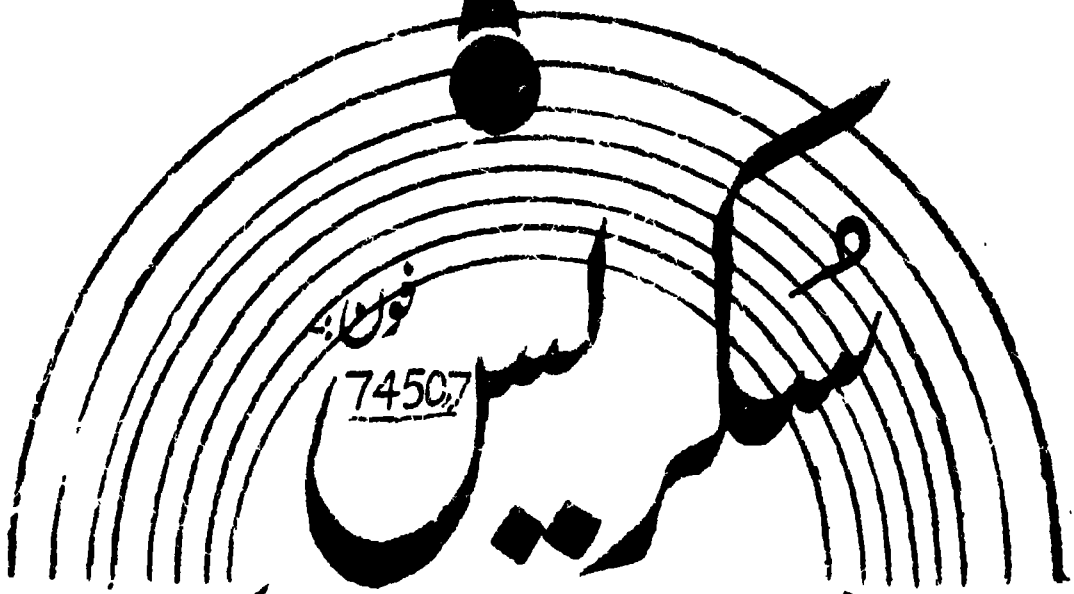
نعمیرِ فکر کا اگلا شمارہ ان شاء اللہ

مسلم پرسنل لا نمبر حصّۂ دوم ہوگا

جس میں مسلم پرسنل لا کے موضوع پر بصیرت افروز علمی و معلوماتی مضامین پیش کئے جائیں گے

اس شاندار خصوصی شمارے کی ایک جھلک :-

- پیامِ قرآن (ملی اتحاد کے نقطۂ نظر سے)
- احکامِ قرآن (اسلام کے عائلی قوانین)
- مسلم پرسنل لا اور ملکی رائے عامہ
- مسلم پرسنل لا اور حکومتِ ہند کی پالیسی
- روسی نظام میں تہذیبی اقلیتوں کا انجام
- مسلم پرسنل لا کا تحفظ اور مسلم خواتین
- ہندوستان میں شریعتِ اسلامیہ منزل بہ منزل
- اسلام کے عائلی قوانین اور موجودہ مسلم ممالک
- مشترکہ سول کوڈ : بھارت کے مذہبی و تہذیبی اقدار کے لئے زہر قاتل
- ہندوستان میں امارتِ شرعیہ کے قیام کی ضرورت و اہمیت
- شریعت اسلامیہ کے تحفظ پر سمپوزیم
- اور دیگر بہت سی دلچسپیاں

یہ عظیم الشان نمبر دوسرے سال کا پہلا تحفہ ہوگا جو ان شاء اللہ یکم مئی ۱۹۷۳ء کو منظر عام پر آجائے گا۔ اسکی ضخامت بھی موجودہ نمبر کے برابر اور قیمت صرف ایک روپیہ ہوگی۔ سالانہ خریداروں کو یہ نمبر سالانہ قیمت ہی میں دیا جائے گا اس نمبر کے بعد ماہِ جون سے عام شماروں کی قیمت ۷۵ پیسے فی شمارہ ہوگی اور سالانہ رقم آٹھ روپے۔ رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج کر آج ہی خریدار بن جائیے۔

پتہ : منیجر ماہنامہ تعمیرِ فکر، ۱۶۴ پولیس روڈ، بنگلور ۲

نوٹ : منی آرڈر کوپن پر اپنا مکمل پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام

اور اس سے توقعات

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بمبئی کنونشن کے نتیجے میں "مسلم پرسنل لا بورڈ" کے نام سے ایک ادارہ تشکیل پا چکا ہے جو آئندہ کے لئے شریعتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لئے ہر ممکن اقدامات کرے گا۔ اور موجودہ قوانین نیز پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں میں پیش ہونے والے سرکاری مسودات وغیرہ کا جائزہ لے کر دیکھے گا کہ یہ کس حد تک مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کنونشن کی قراردادوں میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر دورِ غلامی میں کچھ مذہبی قوانین میں ترمیم کی گئی ہے یا کسی مسلم ملک میں عائلی قوانین کے اندر کوئی تبدیلی عمل میں آئی ہے تو یہ عمل قانونِ شریعت میں ترمیم و تنسیخ کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔ نیز قرارداد نمبر ۳ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ بورڈ شریعتِ اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر اس کے نفاذ کے لئے ایک ہمہ گیر خاکہ تیار کرے گا۔ یہ بورڈ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک کے لئے بوقت ضرورت ایک "مجلسِ عمل" بھی بنا سکتا ہے جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلہ پر عمل درآمد کے لئے پورے ملک میں عوامی سطح پر جد و جہد منظم کی جا سکے

یہ قرارداد اس کنونشن کا حاصل اور ہر مسلمان کے لئے مسرت انگیز خبر ہے۔ قرارداد کی رُو سے بورڈ کی جنرل کونسل ۱۵۱ اراکین پر مشتمل ہوگی اور اس کی ایک مجلسِ عاملہ ہوگی۔ فی الحال ایک کنوینرز کمیٹی تشکیل دی گئی ہے، جس کے اراکین کی تعداد ۱۳ ہے۔ جو حسبِ ذیل اصحاب پر مشتمل ہے۔

۱۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
۲۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب
۳۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی
۴۔ حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب
۵۔ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی
۶۔ جناب ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحب
۷۔ مولانا محمد یوسف صاحب
۸۔ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
۹۔ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب
۱۰۔ جناب عبد القادر حافظکا صاحب
۱۱۔ مولانا سید ابو محمد زیدی صاحب
۱۲۔ جناب محمد یوسف پٹیل صاحب
۱۳۔ جناب عبد الستار یوسف شیخ صاحب

مجوزہ ۱۵۱ افراد کے بورڈ میں ہندوستان تمام ریاستوں اور مختلف دینی، سیاسی اور سماجی اداروں کو مناسب نمائندگی دی جا رہی ہے۔ خدا کرے کہ بمبئی کنونشن جس طرح اپنے مقاصد میں کامیاب رہا اسی طرح یہ بورڈ بھی اپنے بلند و بالا اغراض و مقاصد میں کامیاب و کامران رہے اور مسلمانانِ ہند کے

اتفاق واتحاد اور ملی تنظیم نو کا صور پھونک سکے مسلمانانِ ہند جو صدیوں سے ایک مشترکہ قیادت اور مرکزی لیڈر شپ کے لئے ترستے چلے آرہے ہیں اُن کی تسکین و دلجوئی کے لئے یہ بورڈ ایک نئی مجلسِ مشاورت کا پیش خیمہ بن سکے یقیناً ایسے کنونشن روز روز نہیں ہوا کرتے۔ اس عظیم الشان اور تاریخ ساز کنونشن کے ذریعہ مختلف علمائے دین، زعمائے ملت اور رہبرانِ قوم کے درمیان جو زبردست اور بے مثال اتحاد قائم ہوا ہے، اس کو ہر قیمت پر برقرار رہنا چاہیئے اور اس بورڈ پر کسی بھی حیثیت سے سیاست کی پرچھائیں پڑنے نہ دی جائے۔ اگر خدانخواستہ اس کا حشر بھی مجلسِ مشاورت جیسا ہوگیا تو پھر یہ ہندی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ اور زبردست نقصان ہوگا جس کی تلافی شاید ہی ہوسکے۔ موجودہ وقت کے سب سے بڑے فتنہ اور چیلنج نے ہندوستانی مسلمانوں کو ملی اتحاد باہمی اور تنظیم نو کا ایک بہترین موقع فراہم کردیا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے ایک بہت بڑا امتحان اور آزمائش ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اُمتِ اسلامیہ کی مختلف تنظیمیں اور جماعتیں اپنے فرض اور ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں، اور موجودہ چیلنج کے مقابلے کے لئے کیا کیا قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس وقت ہر قسم کے فقہی، اعتقادی اور سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک عظیم مقصد کی خاطر متحد ہوجائیں۔ نیز مایوسی اور احساس کمتری کے جذبات و احساسات کو دفن کرکے نئے جوش اور نئے ولولہ کے ساتھ کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانانِ ہند کے ملی وجود کو سخت خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام یقیناً وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس بورڈ کے ساتھ ہر ممکن تعاون آپ کا دینی، ملی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

قرآنِ مجید کا حسبِ ذیل پیام مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہر مسلمان کے لئے ایک زبردست تنبیہ اور راہِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝ اے ایمان والو اگر تم کافروں کی تابعداری کروگے (اور اُن کے مطالبات اور فیصلوں کو تسلیم کرلوگے) تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے (تم کو دینِ حق سے برگشتہ کردیں گے) پھر تم (دینی اعتبار سے) گھاٹے میں رہ جاؤگے۔ بلکہ تمہارا حامی و مددگار صرف اللہ ہے جو تمہارا بہترین مددگار ہے۔ (آل عمران: ۱۵۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
اے ایمان والو! (ہمیشہ) ثابت قدم رہو اور (باطل پرستوں کے مقابلے میں) پامردی دکھاؤ اور مورچوں پر جمے رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح یاب ہوسکو۔ (آل عمران: ۲۰۰)

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

بمبئی کنونشن کا آنکھوں دیکھا حال

(مع رودادِ سفر)

محمد شہاب الدّین ندوی

۲۷ر و ۲۸ر ڈسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئی میں اسلام کے نام لیواؤں کا جو زبردست اور تاریخ ساز اجتماع "آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن" کے نام سے ہوا اس کے متعلق اکثر شرکاء کا خیال ہے کہ تحریکِ خلافت کے بعد مسلمانوں کا اتنا بڑا نمائندہ اور پُرجوش اجلاس منعقد نہیں ہوا۔ اور غالباً ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس میں مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے نمائندے پورے جوش و خروش کے ساتھ جمع تھے۔ ہندوستان کے دور دراز گوشوں آسام، کشمیر، کیرلا، میسور، ٹمل ناڈو، بنگال، پنجاب، راجستھان، بہار، یوپی اور آندھرا کے پانچ سو سے زیادہ منتخب نمائندے "شریعتِ اسلامیہ کے تحفظ" کا واحد جذبہ لے کر کھنچے چلے آئے تھے۔ اس عظیم الشان اور تاریخی کنونشن میں جہاں ایک طرف دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، امارتِ شرعیہ بہار، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مظاہر العلوم سہارنپور، جامعہ نظامیہ حیدرآباد، باقیات الصالحات ویلور، مرکزی دارالعلوم بنارس، جامعہ سیفیہ سورت، اسلامیہ کالج شانتاپورم اور اسی طرح جمعیۃ علمائے ہند، سُنّی جمعیۃ علماء، آل انڈیا مسلم لیگ، جماعتِ اسلامی، مجلسِ تعمیرِ ملت، اتحاد المسلمین، مجلسِ مشاورت، جمعیت اہلِ حدیث اور آل انڈیا مسلم مجلس کے نمائندے دکھائی دے رہے تھے تو دوسری طرف آل انڈیا شیعہ کانفرنس، فرقہ مہدویہ، داؤدی بوہرہ، سلیمانی بوہرہ اور دیگر بہت سی جماعتوں کے مندوبین بھی پیش پیش تھے۔ غرض ہندوستانی مسلمانوں کا شاید ہی کوئی اعتقادی، فقہی یا سیاسی مسلک رکھنے والا فرقہ ایسا ہو جو اس یادگار اجتماع میں شریک نہ ہوا ہو۔ اس بنا پر اس بے مثال تاریخی کنونشن کو مسلمانانِ ہند کی متفقہ آواز کہا جا سکتا ہے۔

ہم لوگ ۲۴ر ڈسمبر کی رات بنگلور۔ میرج میل کے ذریعہ بمبئی روانہ ہوئے۔ بنگلور کا وفد مولانا ذاکر حسین عبدی، مولانا قاری ہاشم، مولانا میر جعفر علی ایم۔ اے۔ مولانا عبدالرحیم فیضی، سید شبیر احمد، مولانا شبیر احمد اور جناب ریاض الحق صاحبان پر مشتمل تھا۔ ان میں سے پہلے دو حضرات کے سوا، جو ہم سے پہلے دوسری گاڑی سے روانہ ہو چکے تھے، بقیہ تمام حضرات نے ایک ساتھ سفر کیا۔ جناب ابراہیم خلیل اللہ خاں صاحب بھی ہمارے ہمسفر رہے جو حج کی غرض سے روانہ ہو رہے تھے [illegible] محمد انور صاحب (ادد گرٹ شیموگہ) حافظ شبیر احمد صاحب (شیموگہ) اور جناب عبدالوہاب صاحب کا بھی ساتھ ہو گیا۔ ہبلی میں ڈاکٹر سید احمد صاحب اور شیخ صاحب بھی ہمارے ہمسفر بن گئے۔ اسی طرح ہمارا قافلہ بتدریج بڑھتا رہا۔ دورانِ سفر ہمارا موضوعِ سخن مسلم پرسنل لا رہا۔ اور اس موضوع پر ٹرین ہی میں ایک مباحثہ بھی

منعقد ہوا اور گرماگرم بحثیں شروع ہوگئیں جس میں مختلف رفقاء نے حصہ لیا۔ اور ٹرین فراٹے بھرتی ہوئی گزر رہی تھی۔ ایک طرف وقت کے اہم ترین موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی اور دوسری طرف ٹرین سے باہر فطرت کی رعنائیوں اور دلفریبیوں کا ایک سماں بندھا ہوا تھا۔ پتہ ہی نہ چلا کہ سفر کسی طرح ختم ہوگیا۔

۲۶ر ڈسمبر کی دوپہر کو ہم بمبئی پہنچے اور بائیکلہ ریلوے اسٹیشن میں اُتر کر ٹیکسیوں کے ذریعہ مہاراشٹرا کالج کی راہ لی جہاں پر مندوبین کے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر مہاراشٹرا کالج کا بھی تھوڑا سا تعارف کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ مشہور و معروف کالج جو شہر کے قلب مدنپورہ میں واقع ہے مسلمانوں کے قومی وملی اجتماعات کا مرکز اور اہل بمبئی کے عزم وحوصلہ کا بھی ایک زندہ نشان ہے۔ یہ سات منزلہ عظیم الشان عمارت ہے جس کا انتظام واہتمام انجمن خیر الاسلام کے ہاتھوں میں ہے اس کالج میں جو آرٹس اور سائنس کی تعلیم کے لئے مخصوص ہے ایک ہزار سے زیادہ طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ انجمن مذکور کے زیر اہتمام ایک طبیہ کالج، ایک ہسپتال، ایک ٹکنیکل تعلیم کا ادارہ، بارہ ہائی اسکول دس نرسری اسکول اور چار یتیم خانے بھی چل رہے ہیں۔ ان تمام تعلیمی اداروں پر سالانہ پچاس لاکھ روپیوں سے زیادہ صرفہ آتا ہے۔ انجمن خیر الاسلام کا وجود یقیناً اہل بمبئی کی زندگی اور بیدار مغزی کا ایک روشن باب ہے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کے انعقاد میں بھی درحقیقت اسی انجمن کے باہمت اور اولوالعزم کارکنوں کی کوششوں اور کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔ یقیناً یہ ناقابلِ فراموش اور مثالی کارنامہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ کا ایک تابناک ورق ہے جس پر وہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے شکریہ کی مستحق ہے۔

ہم اپنی جانوں سے دست بردار ہو سکتے ہیں لیکن مسلم پرسنل لا سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

ہماری ٹیکسیاں جیسے ہی کالج کے احاطہ میں داخل ہوئیں منتظمین اور والنٹرس نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہمیں مخصوص مقامات پر پہنچایا۔ کنونشن کے آغاز کے لئے ابھی تقریباً بیس گھنٹے باقی تھے مگر کالج کی متعدد منزلیں مختلف مقامات سے آئے ہوئے مندوبین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ جن میں علمائے دین، عمائدین ملت، سیاستداں ماہرین قانون، پریس رپورٹر، صحافی اور مدیران وغیرہ سبھی شامل تھے۔ بہت سے مندوبین آچکے تھے اور بہت سے آرہے تھے۔ آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ تمل ناڈو سے آئے ہوئے کچھ شناساؤں سے فوری ملاقات ہوگئی جن میں ویلور کے مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، مولانا سید عبدالجبار صاحب، مولانا فدوی صاحب، میل وشارم کے جناب الحاج عبدالجلیل صاحب اور وانمباڑی کے مولانا عبدالجلیل صاحب الخطیب وغیرہ ہیں۔ نیز ریاستِ میسور کے امیر جماعت اسلامی مولانا سراج الحسن صاحب، حیدرآباد شہر کے ناظم جماعت جناب حافظ محمود صاحب اور رائچور کے جعفر حسین صاحب سے بھی ملاقات ہوئی اور سب سے زیادہ خوشی ومسرت اپنے قدیم شناسا و کرمفرما مولانا اسحاق جلیس ندوی اور میرے ہم سبق مولوی غلام جیلانی ندوی مقیم بمبئی سے مل کر ہوئی جن سے بچھڑے ہوئے بارہ سال کا عرصہ ہوگیا تھا۔

۲۷ر ڈسمبر کی صبح دس بجے مہاراشٹرا کالج کی نچلی منزل میں، جو ایک بہت بڑے اور کھلے ہوئے ہال پر مشتمل ہے، ایک خصوصی اجلاس برائے مندوبین منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت ایشیا کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ فرما رہے تھے۔ اور ڈائس پر ہندوستان کے مشہور ومقتدر حضرات تشریف فرما تھے۔

جو اُمتِ اسلامیہ کے مختلف طبقات کی نمائندگی کر رہے تھے جلسہ کا آغاز دیوبند کے قاری محمد عبداللہ سلیم صاحب روح پرور قرأت سے ہوا۔ صدر استقبالیہ جناب یوسف پٹیل صاحب نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اصلاح پسندی کی آڑ لے کر مسلم پرسنل لا پر جو حملے شروع کئے گئے ہیں وہ دراصل دینِ اسلام کے خلاف منظم اور ہمہ گیر سازش کا نتیجہ ہیں اور چند کٹھ پتلیوں کو پردے کے پیچھے سے نمایاں کیا جارہا ہے اس سے نہ صرف علماء و مفکرین مضطرب و بے چین ہو گئے ہیں بلکہ مسلمانوں کے تمام طبقوں میں گہری تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے۔ لہٰذا بمبئی کے چند حساس لوگوں نے اِس بھاری ذمہ داری کو قبول کر کے اس کنونشن کو منعقد کیا ہے۔

بوہری فرقہ کے رہنما جناب ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحب نے اپنی بصیرت افروز افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ علمائے دین اور اہلِ فکر کا یہ کارواں، جو شریعت کی متاع لئے ہر ایک دشوار مرحلے سے گزرتا رہا، جو صدیوں کے ستم سہنے کے بعد بھی پھر اپنا تاریخی فریضہ انجام دینے کے لئے منظرِ عام پر نکل آیا ہے، محض ایک دو اجلاس اور دو تین قرار دادوں میں اپنی تمنا اور عزم کا اظہار یا اپنے فریضے کی ادائیگی نہیں کر سکے گا۔ اسے تو ابھی اُن صبر آزما مراحل سے صبر و سکون اور ثابت قدمی کے ساتھ گزرنا ہوگا جو اس کے بزرگوں کو سیاسی اقتدار کے سامنے بارہا پیش آچکے ہیں۔ ابھی تو بہت قوت و جرأت اور بہت اتحاد و ایثار سے کام لینا ہوگا۔

آپ نے فرمایا وہ صاحبان جنہیں جمہوریت کی قدروں اور پبلک اوپی نین (PUBLIC OPINION) کی قدر و قیمت کا بڑا مان ہے، آئیں اور ملاحظہ فرمائیں کہ سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا وہ کون سا علمی، فقہی یا تعلیمی مکتبِ فکر ہے، کونسا وہ روحانی یا نہ عی حلقہ ہے جس کی اہم اور قابلِ ذکر نمائندگی اس چھت کے نیچے نہیں ہو رہی ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے بڑے پتے کی بات یہ بیان کی کہ مسلمانوں کی معاشرتی، سماجی اور تعلیمی پستی کا سبب پرسنل لا نہیں ہے جس میں ترمیم کی ضرورت ہو۔ بلکہ ترمیم طلب چیز تو اس زمین کا نظام ہے جس میں مسلمانوں کو اپنی زبان، اپنی تہذیب، رہائش روزگار اور تعلیم و تجارت وغیرہ معاشرتی امور میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

مسلم پرسنل لا مذہب کی ایک آزمائش ہے

اس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اپنے مبسوط خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے۔ لیکن اس دَور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے مکاتبِ فکر کے علماء و دانشور اور رہنما وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطۂ وحدت پر جمع ہیں اور اس کی روشنی میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید و رسالت اور جذبۂ وحدت کی جو امانت اُمت کو سپرد کی گئی تھی، ہم اُس کی حفاظت کے فریضہ کو فرض کی طرح ادا کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ یہ امانت ہمیں جان و مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنی جانوں سے دست بردار ہو سکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

حضرت موصوف نے مزید فرمایا، وہ سماج کتنا دیوث ہے جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائطِ عدل و دیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا اور اس غلاظت پر، ان مظلوم قسمت کی ماری بازاری گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے

اور نہ کوئی دارو گیر کا روادار ہے۔ سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں جس ملک میں راتوں کے کلب ہوں، مادر وطن کی بیٹیوں کے بدن سے عصمت و عفت کا لباس رات بھر اُتار کر تار تار کیا جارہا ہو اور خدا کے غضب سے حکومت اور سماج بے نیاز ہو، ایسے ملک کے چند ایسے سر پھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود تو شرمانا چاہیئے تھا جنہیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔

مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اسلام کا شرعی قانون نہ ہوتا تو معاشرے میں گندگی اور نجاست پھیل جاتی۔ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت انسان کو زنا کاری، ہوسناکی، بدکرداری اور معصیت کوشی سے بچانے کے لئے ہے۔ مغربی ممالک میں اس جنسی آوارگی کو تہذیب اور کلچر کا نام دیا جاتا ہے۔ آپ نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے چند تعمیری تجاویز اور مستقل منصوبہ بندی پر زور دیا۔

مولانا ضیاء الدین صاحب بخاری ایم ایل اے (مسلم لیگ) نے اپنی ولولہ انگیز تقریر میں فرمایا کہ مسلم پرسنل لا اپنے پیچھے عقیدے کی قوت رکھتا ہے۔ مسلم پرسنل لا شریعت اسلامی سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمان جان دینا گوارا کر سکتے ہیں مگر شریعت اسلامی میں تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے۔

اس جلسہ میں اناؤنسر کے فرائض مولانا مختار احمد صاحب ندوی انجام دے رہے تھے۔

دوپہر کے بعد اسٹیرنگ کمیٹی کا خصوصی جلسہ تھا لہٰذا مندوبین کو باہمی ملاقاتوں کے لئے چھٹی مل گئی۔

اس موقع پر غیر متوقع طور پر اپنے دو قدیم ندوی ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی۔ یعنی مولانا حکیم ابو البقاء صاحب ندوی جو اس وقت مبارکپور (یو۔پی) میں مقیم ہیں۔ یہ ندوہ میں مجھ سے سینیر اور دو سال تک ہم کمرہ تھے، اور دوسرے اپنے کلاس فیلو مولوی عبد المجید ندوی براری، ان دونوں کی ملاقات سے جو خوشی و مسرت حاصل ہوئی وہ بیان سے باہر ہے نیز ان کے علاوہ حضرت الاستاذ مولانا ابو الحسن علی ندوی، استاد محترم مولانا منظور صاحب نعمانی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا محمد سالم صاحب، مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری، مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی، مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی، مولانا محی الدین صاحب منیری، مولانا مختار احمد صاحب ندوی، جناب شمس پیرزادہ صاحب، مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی (استاد ندوۃ العلماء) مولانا اجتباء الحسینی صاحب ندوی، جناب ظفر احمد صاحب صدیقی وکیل سیتاپور، مولانا محمد یوسف صاحب کوکن عمری (مدراس) مولوی عبد الوحید ندوی (اکولہ) مولوی شہید الحق عثمانی ندوی اور دیگر بہت سے علماء، اساتذہ اور رفقاء سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور خصوصی ملاقاتیں ہوئیں۔

رات میں نو بجے مدنپورہ کے وائی، ایم، سی، اے، میدان میں جلسۂ عام منعقد کیا گیا۔ میدان کے مشرقی کنارے ایک عالی شان اسٹیج سجایا گیا تھا جس پر حسب ذیل عبارتوں کی بڑی بڑی تختیاں آویزاں تھیں:

كِتٰبُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

تبدیلی مسلم پرسنل لا میں نہیں بلکہ موجودہ سماجی ناانصافیوں میں ہونی چاہیئے۔

بجلی کی چمکتی ہوئی روشنی میں یہ ایمان افروز عبارتیں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ میدان سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جدھر بھی نظر ڈالئے انسانی سروں کا ایک سمندر سا نظر آرہا تھا۔ جمعیت علمائے ہند کے نائب صدر مولانا شاہد فاخری صاحب کی صدارت میں قاری زبیر احمد عثمانی کی قرأت سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ اناؤنسر کے فرائض مولانا حامد الانصاری غازی صاحب انجام دے رہے تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ مغلیہ دور حکومت میں اسلامی قانون رائج تھا۔ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں اسے جاری رکھا۔ مگر انہوں نے اس کو "اسلامی قانون" کہنے کے بجائے "مسلم پرسنل لا" کا نام دیا۔ جو درحقیقت شریعت اسلامی کا وہ جزو ہے جو مسلمانوں کے شخصی و عائلی قوانین سے متعلق ہے۔ یہ قانون انسانوں کی بہتری کے لئے خدا نے بنایا ہے تاکہ زندگی کو صالح اور پاکیزہ بنایا جا سکے۔ ہندوستان ایک جمہوری اور سیکولر ملک ہے لہذا جمہوریت اور سیکولرزم کا تقاضہ ہے کہ اقلیتی حقوق کو پامال نہ کیا جائے اور مختلف مذاہب کی آزادی سلب نہ کی جائے۔

مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب نے اپنی پرجوش تقریر میں فرمایا کہ ہندوستان آزاد ہونے کے بعد ہمیں امید تھی کہ امن و سکون آئے گا اور خوش حالی آئے گی۔ آج کروڑوں روپے کے پلان بن رہے ہیں لیکن نہ [illegible] امن و امان ہے نہ خوش حالی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر حکومت نے نرمی اور اخلاق کی زبان سمجھ لی تو [illegible] ہم طاقت کی زبان بھی جانتے ہیں۔ اس ملک میں جب تک ایک کلمہ گو بھی موجود ہے زمین و آسمان اپنی جگہ [illegible] سکتے ہیں لیکن شریعت اسلامی کا کوئی نقطہ اور کوئی شوشہ اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ حکومت نے پرسنل لا کے بارے میں ریفرنڈم (رائے شماری) کرا لے۔ حکومت نے بڑی غلطی کی جو ملی نظامیہ یونیورسٹی کا نیا بل منظور کیا۔ یہ تو مذہب کا معاملہ ہے جو ہماری رگ رگ میں سمایا ہوا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مسلم پرسنل لا اپنے پیچھے عقیدے کی قوت رکھتا ہے۔

سنی جمعیۃ العلماء کے نمائندے مفتی برہان الحق صاحب نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے بتایا کہ زمانہ بدلا ہے اور بدلتا رہے گا لیکن شریعت کا قانون نہ بدلا ہے اور نہ کبھی بدلے گا۔ پرسنل لا میں ترمیم کی حمایت کرنے والوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انہوں نے کہا حکومت نے چند لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے۔ بڑی بڑی حکومتیں گزریں لیکن انہیں قانون الٰہی میں ترمیم کی جرأت نہیں ہوئی تو بھلا ہم حکومت وقت کو اس ترمیم کی اجازت کیوں کر دے سکتے ہیں۔ انہوں نے پرسنل لا کی مخالفت کرنے والے نام نہاد مسلمانوں کو للکارتے ہوئے حاضرین سے اپیل کی کہ اس قسم کے مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔

جناب مولانا مختار احمد ندوی نے اپنی تقریر میں نظام کائنات کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا سورج اور چاند اپنے مقررہ وقت پر طلوع و غروب ہوتے ہیں اسی طرح نظام قدرت صدیوں سے اپنی جگہ اٹل اور محفوظ ہے۔ انہوں نے کہا کہ قدرت کے اصول نہ بدلے ہیں اور نہ ہی انہیں بدلا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے اپنی تقریر میں قانون الٰہی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ قانون انسان کا بنایا ہوا نہیں

ہے اور نہ ہی انسانوں کو اس میں ترمیم کا حق ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین قصے اور کہانیوں پر مبنی نہیں۔ یہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے جس میں ترمیم ناقابلِ برداشت اور ناممکن ہے۔ یہ تاریخ کا عظیم کارنامہ ہے کہ جب مسلمانوں پر وقت آیا تو وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا وہ لوگ جو جینے اور مرنے کی بازی لگا سکتے ہیں انہیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔

شیعہ رہنما سید کلب عابد صاحب نے حکومت کو وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ حکومت اپنی حدود سے آگے قدم نہ بڑھائے۔ انہوں نے کہا ہمیں اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیئے۔ پارلیمنٹ کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ مرض کے لئے انجکشن تجویز کرے یا مشین کی خرابی پر پرزہ۔ اس قسم کی تجویز و مشورہ کا حق صرف اس کے ماہروں کو حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب پارلیمان میں ایک معمولی کام میں مداخلت کی مجاز نہیں تو اُسے قانونِ الٰہی میں ترمیم کا حق کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ حکومت تو حکومت تمام مسلمانوں کو مل کر بھی قانونِ الٰہی میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے نبیؐ کو بھی قانونِ خداوندی میں ترمیم کا حق حاصل نہیں تھا۔

مسلم لیگ کے رہنما جناب غلام محمود بنات والا صاحب نے اس سرے سے اُس سرے تک بھرے اجتماع پر نظر ڈالتے ہوئے کہا اس بھرے اجتماع کو دیکھ کر یکساں سول کوڈ کا نعرہ لگانے والے اپنا سر پیٹ رہے ہوں گے کہ ہم نے سوئے ہوئے شیروں کو جگا دیا۔ انہوں نے کہا تاریخ گواہ ہے کہ دُکھوں اور مصیبتوں کے بعد انقلاب بپا ہوتے ہیں جس طرح ہر رات کے بعد صبح۔ بنات والا نے کہا آج کے بعد کسی میں یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوگی کہ مسلم پرسنل لا کے کسی شوشے یا گوشے میں ترمیم کی جائے۔ ہندوستان مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے اس رنگارنگی کو ختم کر دینے سے ہندوستان کا اتحاد بھی ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا اسلام زمانے کے ساتھ نہیں بدلتا وہ زمانہ کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے اور وہ مذہب بن گیا جس کی بنیاد متزلزل ہو۔ آج کچھ کل کچھ، اور وہ مذہب جو ہمیشہ بدلتا رہتا ہے مذہب نہیں رہتا تفریح بن جاتا ہے۔ آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا اس انقلاب کی بنیاد مذہبی جذبات پر نہیں تھی اور حکومت کان کھول کر سن لے یہ میرا حکومت کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ قانون میں ترمیم کا مسئلہ اٹھا کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

جناب سلیمان سکندر صاحب نے حکومت کے اوپر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ہم حکومت کو جتا دینا چاہتے ہیں کہ پرسنل لا میں ترمیم کے عنوان کو اس طرح دفن کر دیا جائے کہ پھر اس کی آواز بلند نہ ہو۔

مندوبین اور عمائدینِ شہر کے لئے خصوصی نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہم چند نادری دوست اور پرانے ساتھی ایک صوفے پر بیٹھے اس نمائندہ اور تاریخی جلسہ کا مختلف حیثیتوں سے جائزہ لے رہے تھے تقریباً پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع سردی کے موسم میں ایک بجے رات تک پورے صبر و سکون کے ساتھ مقررین کی تقریروں کو سنتا رہا۔ یقیناً یہ اُن کی اسلام سے محبت اور والہانہ جذبہ کا ثبوت ہے۔

۲۸ دسمبر کا دن یقیناً موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک روشن اور تابناک ورق کہا جا سکتا ہے جس نے ملی اتحاد کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ آج مختلف نشستوں میں مسلمانوں کی مذہبی، تہذیبی، سیاسی اور تعلیمی اختلافات رکھنے والی تمام جماعتوں اور اداروں نے چند متفقہ قرار دادیں منظور کر کے نہ صرف زبردست بصیرت اور دور اندیشی کا ثبوت دیا بلکہ حکومت تک کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیا۔ آج کے تاریخی دن کو مستقبل کے اتحادِ ملی کا پیش خیمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ملتِ اسلامیہ کے تمام نمائندوں نے کامل اتفاق

قانونِ الٰہی میں ترمیم کا حق خود رسول ﷺ کو بھی نہیں تھا

اور قطعیت کے ساتھ اپنے اس موقف کا اعلان کیا کہ شریعتِ اسلامی کے احکام وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں۔ ان میں کمی بیشی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ کنونشن اس امر پر بھی اپنے محکم فیصلہ کا اعلان کرتا ہے کہ پارلیمنٹ یا ریاستی مجالس قانون ساز کو شریعت اسلامی میں کسی ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ کنونشن اُن چند افراد کی مذموم کوششوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے جو قانونِ شریعت میں مداخلت کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

کنونشن میں ایک اور قرارداد کے ذریعہ ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا [illegible] اور مکتبِ فکر کے ماہرین پر مشتمل ہوگا۔ اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے مستقل طور پر کام کرے گا۔ کنونشن میں [illegible] مشتمل اسٹیرنگ کمیٹی ۱۵۱ ارکان بورڈ کے بنیادی ممبر ہوں گے۔ قراردادوں کی تائید میں تقریباً تمام مسلم قائدین نے جن میں ہر مسلک و مکتب اور ہر طبقہ و خیال کے افراد شامل تھے پورے جوش و خروش کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اور تقریباً ہر فرد نے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ اپنی جان تو دے سکتا ہے مگر شریعت اسلامی میں کسی قسم کی تبدیلی گوارا نہیں کر سکتا۔

یہ اجلاس مہاراشٹرا کالج میں صبح دس بجے حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مولانا ظل الرحمان صاحب صدیقی اناؤنسر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ کارروائی کا آغاز قاری انیس الرحمٰن صاحب کی قرأت سے ہوا۔

مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار نے اس تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج ملک میں جو رویہ اختیار کیا جا رہا ہے خدانخواستہ وہ کامیاب ہو گیا تو آئندہ نسلیں اسلام کو بھول جائیں گی۔ مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ کے دروازے کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہیں لیکن یہ ناپاک [illegible] کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

مذہبی آزادی کے بنیادی حق کو ختم نہیں کیا جا سکتا

مولانا نے کہا کہ خود ہندوستان کے دستور میں ایسی دفعات موجود ہیں جن کے تحت پرسنل لا میں ترمیم و تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ وزیر قانون نے گزشتہ دنوں متبنیٰ بل پیش کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ مشترکہ سول کوڈ بنانے کی طرف حکومت کے بڑھتے ہوئے قدم کی نشاندہی کرتا ہے حکومت کی نیت پرسنل لا کو ختم کر کے مشترکہ سول کوڈ بنانے کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کنونشن میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے جو بورڈ تشکیل دیا جا رہا ہے اس کے متعلق بھی غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے۔ مولانا نے نہایت پر زور الفاظ میں فرمایا کہ ہم حکومت، دولت اور عزت سب کچھ کھو چکے ہیں لیکن شریعت کے بچے کھچے سرمایہ کا تحفظ کریں گے۔

سابق جسٹس خلیل احمد صاحب (پٹنہ) نے فرمایا کہ آزادی کی قدر و قیمت یہ ہے کہ جاگتے رہو اور عملی دنیا میں زندہ رہو۔ ہمیں حالات سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلام انسانیت کی تعمیر اور خدمتِ خلق سکھاتا ہے۔ جب آپ نے یہ اصول چھوڑ دیا تو آپ آہ و فغاں میں مبتلا ہو گئے۔ جب آپ ملک اور سماج کی خدمت کا عہد کر لیں گے تو پھر ریزولیشن پاس کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ موصوف نے فرمایا کہ دستور کی دفعہ ۲۵ اور دفعہ ۴۴ کے تحت مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے بنیادی حق کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی ترمیم و تبدیل کرے تو یہ دستور سے غداری

ہو گی۔ نیز آپ نے فرمایا مذکورہ بالا دونوں دفعات میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ دستور کو اس طرح پڑھنا چاہیئے کہ اسکی مختلف دفعات ایک دوسرے سے متضاد نہ معلوم ہوں۔ لہذا دفعہ ۴۴ کا اطلاق صرف انہی قوموں پر ہو سکتا ہے جن کا مذہبًا اپنا کوئی پرسنل لا موجود نہ ہو۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے جنرل سکریٹری جناب سید کلب عباس صاحب نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود نہایت پُرجوش انداز میں فرمایا کہ اب حکومت کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ وہ ہمارے قوانین شرعیہ میں تبدیلی لائے۔ پہلے بھی دو بار ایسی کوششیں کی گئیں ہم نے احتجاج کیا جو کامیاب رہا۔

مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نے مختلف قراردادیں پیش کیں (جو اگلے صفحات میں دی جا رہی ہیں) مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری ابراہیم سلیمان سیٹھ، مولانا ظل الرحمٰن صدیقی جمعیت علماء، مفتی ضیاء الحق دہلی، دیوان صولت حسین اجمیر، ڈاکٹر حسام الدین گجرات، مولانا عبدالجلیل آسام، سید غوث خاموشی حیدرآباد، ٹی کے عبداللہ کیرلا، نصراللہ عباسی صاحب، بیپتوا سلیمانی بواہیر، مولانا منیرالدین بھٹکل، مفتی عبدالعزیز سہارنپور، اختر الواسع علی گڈھ، ایڈوکیٹ سردار خاں، حکیم محمد زماں حسینی مغربی بنگال، مولانا حمید الدین آندھرا، سید شاہ محمد الحسینی گلبرگہ، صلاح الدین اویسی حیدرآباد، ایڈوکیٹ یوسف علی ... آباد، مفتی عبد نمید حیدرآباد، مولانا حامد علی دہلی، عبدالسلام فاروقی لکھنؤ، افضل حسین دہلی، مولانا ذاکر حسین عبیدی بنگلور، مولانا سید جعفر علی ایم اے بنگلور، مولانا عبدالجمیل وانمباڑی، مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری ونیوا، مولانا اجتبا حسینی ندوی جامعہ ملیہ دہلی، کلیم الدین شمسی خلافت کمیٹی کلکتہ، مفتی رشید احمد بریانہ، مولانا حسام الدین ناظم امارت شرعیہ بہار، محمد شعیب دیوبند، ... ظفی فقیہ سابق وزیر مہاراشٹر، ڈاکٹر محمد احمد دہلی اور دیگر بہت سے نمائندوں نے ان قراردادوں کی تائید میں تقریریں کیں۔ نیز دو برقعہ پوش خواتین محترمہ غازی اور محترمہ راشدہ نے بھی ان قراردادوں کی تائید کی۔

یکساں سول کوڈ کو باہمی محبت کا سبب بتانا ایک سیاسی فراڈ ہے

قاری محمد طیب صاحب کی صدارتی تقریر اور دعائیہ کلمات پر مندوبین کا آخری اجلاس ساڑھے پانچ بجے ختم ہوا۔ تمام تجاویز متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔ اجلاس کے بعد مختلف حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی، مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار، مولانا محمد مسلم صاحب ایڈیٹر دعوت، جناب انوار علی خاں صاحب سوز جامعہ ملیہ دہلی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی لکھنؤ، جناب شاہد رام نگری مدیر نقیب، مولانا محمد ولی صاحب رحمانی مونگیری، مولانا ضیاء الدین صاحب بخاری، جناب غلام محمود بنات والا ایم ایل اے۔ مولانا حامد الانصاری غازی، اپنے استاد مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ، جناب اطہر علی عابدی، مولانا ظل الرحمٰن صدیقی، مولوی محمد عصمت ندوی، مولوی وصی احمد ندوی مولوی محمد ... ندوی، مولوی ... حسن ... بہت سے حضرات سے خصوصی ملاقاتیں ... اپنے ایک کلاس فیلو اور قدیم و دور افتادہ دوست (بقیہ صفحہ ۵۷ پر)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کی متفقہ تجاویز

تجویز نمبر ۱:- مسلمانانِ ہند اس صورتِ حال سے شدید تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہیں جو مختلف قانون ساز اسمبلیوں اور قوانین کے ذریعہ اُن کے پرسنل لا کو ختم کرنے اور مشترکہ سول کوڈ کی راہ ہموار کرنے کے لئے کی جارہی ہیں لہذا مسلمانانِ ہند کا یہ نمائندہ اجتماع منعقدہ بمبئی (بتاریخ ۲۷ر-۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء) جو مسلمانانِ ہند کے تمام مکاتبِ فکر اور مسالک کے علاوہ انکی تمام دینی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی انجمنوں، جماعتوں اور اداروں کا نمائندہ ہے کامل اتفاق اور قطعیت کے ساتھ اپنے اس موقف کا اعلان کرتا ہے کہ شریعتِ اسلامی کے احکام وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں، ان میں نہ کوئی کمی ہے جسے پورا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ زیادتی جسے کم کرنے کی حاجت پیش آئے۔

(۱) یہ کنونشن اس امر پر بھی اپنے یقین کا اظہار کرتا ہے کہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں کے دین و مذہب کا ایک جزو ہے اور کسی مسلمان کے لئے احکامِ شریعتِ اسلامی سے گریز جائز نہیں اور نہ وہ کسی ایسے فیصلے کو کسی حال میں قبول کرسکتا ہے جو اللہ کے حلال کئے ہوئے حرام اور حرام کو حلال قرار دے۔ یہ کنونشن اس امر پر بھی اپنے محکم فیصلے کا اعلان کرتا ہے کہ پارلیمنٹ یا ریاستی مجالسِ قانون ساز کو شریعتِ اسلامی میں کسی ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں ہے اور کون سے قوانین شرعِ اسلامی کے مطابق یا متعلق ہیں اور کون سے نہیں اسکے بارے میں ہر فرقہ و مسلک کے مستند و معتمد علمائے شریعت ہی کا فیصلہ آخری اور قطعی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) یہ کنونشن اُن چند افراد کی مذموم کوششوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے جو مسلم پرسنل لا کنونشن کی اصلاح کے نام پر قانونِ شریعت میں مداخلت کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

(۳) اگر دورِ غلامی میں کچھ مذہبی قوانین میں ترمیمات کی گئی ہوں یا کسی مسلم ملک میں عائلی قوانین میں کوئی تبدیلی عمل میں آئی ہو تو یہ عمل قانونِ شریعت میں ترمیم و تنسیخ کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

(۴) یہ کنونشن اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ شخصی اور عائلی قوانین امت کے تشخص، اس کی امتیازی شان اور دینی تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کے ضامن ہیں اور کوئی مسلمان اپنی ملی انفرادیت، دینی امتیازات اور تہذیبی و ثقافتی خصوصیات سے کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہو سکتا۔

(۵) تہذیب دنیا کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہر تہذیبی اور مذہبی اکائی کو اپنی تہذیب و مذہب کے تحفظ کا نہ صرف پورا پورا حق حاصل ہے بلکہ اگر کسی گروہ کی تہذیبی اور مذہبی خصوصیات کو مٹانے کی کوششیں کی جائیں تو اسے نسل کشی کا ہم معنی سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے آزاد ہندوستان کے معماروں نے بھی دستورِ ہند کے بنیادی حقوق میں مذہبی آزادی اور اس کے قیام و بقا کی بھرپور ضمانت دی ہے۔ اس لئے کنونشن کو یقین ہے کہ ہندوستانی عوام ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دیں گے جو دستور کی روح کو پامال کرنے اور کسی گروہ کو اُسکے دستوری حق سے محروم کر دینے والی ہو۔

یہ کنونشن مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کرتا ہے کہ :-

(الف) مسلمانوں کے شخصی اور عائلی قوانین جو دراصل ان کے دین و مذہب کا لازمی جزو ہیں انہیں ختم کر کے ان کی جگہ یکساں سول کوڈ کا اجرا یا بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم یا متوازی قانون سازی کے ذریعہ اُسے بے اثر بنانا انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے منافی، تہذیبی نسل کشی کے ہم معنی اور دستورِ ہند کے بنیادی حقوق کے معارض ہوگا اور اس طرح کے کسی بھی اقدام کا مطلب مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلعم سے انحراف پر مجبور کرنا ہوگا جو کسی بھی مسلمان کے لئے کسی حال میں قابلِ برداشت نہیں ہو سکتا۔

(ب) یہ کنونشن اس امر کا بھی یقین رکھتا ہے کہ دستورِ ہند کے رہنما اصولوں کا آرٹیکل ۴۴ بنیادی حقوق کی دفعات کے تابع ہے اس لئے مسلم پرسنل لا آرٹیکل ۴۴ کے دائرے سے خارج ہے۔

(ج) یہ کنونشن پارلیمنٹ اور ریاستی مجالس قانون ساز میں پیش ہونے والے ان بلوں کو ناقابلِ قبول قرار دیتا ہے جو بالواسطہ مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(د) یہ کنونشن اس امر کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کو عائلی اور معاشرتی زندگی کے شرعی احکام و آداب سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ پوری طرح شرعی احکام پر عمل کر کے معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کر سکیں۔

تجویز نمبر ۲ :- یہ اجلاس ADOPTION OF CHILDREN BILL 1972 (قانون تبنیت ۱۹۷۲ء) اور PUBLIC TRUST BILL کو اپنی موجودہ شکل میں قانونِ شریعت میں مداخلت سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

تجویز نمبر ۳ :- آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن اپنے فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لئے "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" کی تشکیل کرتا ہے جو ہمیشہ ہر فرقہ و ہر مسلک کے مسلم علماء، ماہرینِ شریعت، مسلم قانون دانوں اور ملت کے دیگر اربابِ حل و عقد پر مشتمل ہوگا۔ نیز مختلف فرقہ اور مسلک کی نمائندگی بورڈ کی ضمنی کمیٹیوں میں بھی ملحوظ رہے گی۔

(الف) یہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ قوانینِ شرع کی بقاو تحفظ کیلئے ہر طرح کی ضروری تدابیر عمل میں لانے اور ہر طرح کی جدوجہد منظم کرنے کا ذمہ دار ہوگا ــــ یہ بورڈ علماء و ماہرینِ قانون پر مشتمل ایک ایسی مستقل کمیٹی بنانے کا ذمہ دار ہوگا جو موجودہ قوانین نیز پارلیمنٹ اور مختلف ریاستی مجالس قانون ساز میں پیش ہونے والے مسودات قانون (بلوں) اور گشتی احکام (سرکلر) کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لے گی اور دیکھتی رہے گی کہ اس کا کیا اثر مسلم پرسنل لا پر پڑتا ہے ــــ یہ بورڈ شریعتِ اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر اس کے نفاذ کے لئے ہمہ گیر خاکہ تیار کرے گا۔ یہ بورڈ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک کے لئے بوقت ضرورت "مجلسِ عمل" بھی بنا سکتا ہے جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلہ پر عمل درآمد کیلئے پورے ملک میں جدوجہد منظم کی جائے گی۔

(ب) اس بورڈ کی ایک جنرل کونسل ہوگی جو ۱۰۱ ارکان پر مشتمل ہوگی اور کنونشن کی اسٹیرنگ کمیٹی ارکان اس کے بنیادی رکن (FOUNDER MEMBER) ہوں گے۔ باقی ارکان کو جنرل کونسل کو آپٹ کریگی۔ اور ۴۱ افراد پر مشتمل ایک "مجلسِ عاملہ" ہوگی جسے بورڈ منتخب کرے گا۔

(ج) عہدیداروں کا تعین، اُن کا انتخاب اور دیگر ضوابط اپنے لئے خود یہ بورڈ تیار کرے گا۔

مسلمانوں کی سماجی یا تعلیمی پستی کا سبب پرسنل لا نہیں ہے

بمبئی کنونشن میں

امیر الجامعۃ السیفیہ ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحب کی افتتاحی تقریر

حاضرین و حاضرات!

اس امر کو محض ایک اتفاق جانئے کہ اس تاریخی اور عظیم الشان اجلاس کو شروع کرنے کی عزت مجھے بخشی گئی ورنہ کچھ اور ہی اصلی دل و دماغ اس جلسۂ جلوس کے میر کارواں ہیں اور وہ فی الحال یہاں موجود بھی ہیں، صرف ابتدا کی سعادت میرے حصہ میں آئی۔

علمائے دین اور اہل فکر کا یہ کارواں، جو شریعت کی متاع لئے ہر ایک دشوار مرحلے سے گذرتا رہا جو صدیوں کے ستم سہنے کے بعد بھی، پھر اپنا تاریخی فریضہ انجام دینے کے لئے منظر عام پر نکل آیا ہے محض ایک دو اجلاس اور دو تین ریزولیوشنوں میں اپنی تمنا اور عزم کا اظہار، یا اپنے فریضے کی ادائیگی نہیں کر سکے گا۔ اُسے تو ابھی اُن صبر آزما مراحل سے، صبر و سکون اور ثابت قدمی کے ساتھ گذرنا ہوگا جو اس کے بزرگوں کو سیاسی اقتدار کے سامنے بارہا پیش آچکے ہیں۔ ابھی تو بہت قوت وجرأت، اور بہت اتحاد و ایثار سے کام لینا ہوگا۔ یہ مسلم پرسنل لا کنونشن جو طلب کیا گیا ہے، یہ عامۃ المسلمین یا سوادِ اعظم کی رائے، مشورے بلکہ اشارے کی محض تعمیل ہے، اور میری یہاں حاضری یا شرکت بھی اسی حکم کی تعمیل کا ایک حصہ ہے۔

جو لوگ جمہور اور جمہوریت کے بڑے دعویدار ہیں، وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ کیا کبھی کوئی اجلاس اس موضوع پر آج کے اجلاس سے زیادہ نمائندہ، باہوش اور باخبر اجلاس ملک کے پچھلے ڈھائی سو (۲۵۰) سال میں ہوا ہے؟

وہ صاحبان جنہیں جمہوریت کے قدروں اور پبلک اوپینین (Public Opinion) کی قدر و قیمت کا بڑا ارمان ہے، آئیں اور ملاحظہ فرمائیں — کہ سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا وہ کونسا علمی، فقہی یا تعلیمی مکتبِ فکر ہے، کونسا وہ روحانی یا شرعی حلقہ ہے جس کی اہم اور قابلِ قدر نمائندگی اس چھت کے نیچے نہیں ہو رہی ہے۔

کیا کبھی کوئی ذہنی، فکری اور سنجیدہ علمی اجلاس اپنی آل انڈیا حیثیت کے ساتھ ایسے مقام پر ہوا ہے، ایسی گلیوں میں جہاں مسلمانوں کی شریعت یا معاشرتی قانون پر رائے عامہ مبنی ہے، اور جہاں سے وہ لوگ منھ پر رومال رکھے بغیر نہیں گذر سکتے جنہیں شریعت میں ترمیم کرنے کے دعوے ہیں۔

شریعت میں ترمیم کا لفظ میں نے بے سبب نہیں استعمال کیا۔ دراصل یہ مسلم پرسنل لا ہے کیا شئے؟

پرسنل تو مذہبی بلکہ صنعتی دور کے یورپ کا تصور ہے، جو پندرھویں اور سولھویں صدی کی مسیحی تحریکوں نے فرد کو دینی پابندیوں سے آزاد کرنے کے لئے عام کیا تھا، ورنہ دین محض ذاتی نہیں بلکہ معاشرتی عمل ہوتا ہے۔ لفظ "مسلم پرسنل لا" بجائے خود ایک اقرار ہے اس بات کا، کہ مسلمانوں کے لئے ان کا ایک دینی قانون ہے۔ قانون کسی ایک فرد کے لئے نہیں بنایا جاتا کسی ہموار معاشرے کے لئے بنتا ہے۔ جس دن یہ وحی نازل ہوئی کہ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" اسی روز یہ فیصلہ صادر ہو گیا کہ کسی ایک کی ذاتی زندگی پر نہیں، بلکہ اُن تمام لوگوں پر دین ہمیشہ کے لئے تمام ہو گیا۔ شریعت کا وہ قانون نافذ ہو گیا۔ جو لوگ اس دین کو مکمل اور اس نعمت کو تمام سمجھتے ہیں۔ ساڑھے تیرہ سو[۱۳] سال میں دنیاوی مصلحتوں سے بعض عارضی یا ہنگامی قانون اور فتاوی جاری ہوتے رہے ہیں۔ لیکن جن حضرات کے پاس دینی علوم کا اور اعمال صالحہ کا خزانہ موجود تھا انہوں نے اس نعمت دین کے مکمل ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ کسی ایک شخص کا وہ عمل جو لفظ Personal کے تحت آتا ہے، وہی ہے جو معاشرتی اور دینی ہے، جو سوشل رشتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانان ہند کا کوئی معاشرتی عمل ایسا نہیں جس کے بارے میں شریعت نے اپنا حکم نہ سنا دیا ہو۔ جزئی اختلافات کے باوجود، دنیا کی مختلف نسلوں، زبانوں اور زمینوں کے لوگ شریعت کے قوانین کی الگ الگ توجیہ یا تاویل کرنے کے باوجود کچھ مشترک مفہوم اپنے درمیان رکھتے ہیں۔ شریعت کے یہی مشترک مفہوم ہیں، جو "مسلم پرسنل لا" کا احاطہ کرتے ہیں۔ اور کوئی کہے، کہ ہم تو صرف انفرادی قانون میں تبدیلی چاہتے ہیں تو پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ اُس نے شریعت کے ظاہر و باطن کا، اس کے صورت و معنی کا، یعنی عربی زبان و ادب کے علاوہ اسلامیات کی روح کا بھی گہرا مطالعہ کر لیا ہے یا نہیں؟ آپ چاروں طرف نظریں گھمائیے تو خود دیکھ لیں گے کہ ترمیم کے حامی حضرات بڑی حد تک مسیحی ترجمے رٹتے ہوئے لوگ ہیں، نہ انہوں نے اصل کا مطالعہ کیا، نہ اس مطالعے کی ضرورت سمجھی۔

یہ عظیم الشان علمی اور عوامی اجلاس اگر ایسے دعویداروں کو اُن کی علمی و فکری حیثیت سے آگاہ کر دے، تب بھی یہ کوشش کامیاب سمجھنی چاہئے۔

فتنے کا اصل سرچشمہ کہاں ہے؟ مجھے جانے کی، ضرورت نہیں، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ حکومت ہند کے ذمہ دار ارباب اختیار نے بیان دیا ہے کہ "ہم مذہبی اقلیتوں کے دینی یا شرعی معاملات میں دخل نہیں دیں گے۔ البتہ اگر کوئی اقلیتی گروہ خصوصاً مسلمان خود ہی ترمیم یا تبدیلی کی درخواست کریں تو ہم ضرور قدم اٹھائیں گے۔" دانائی اگر دیر سے بھی نصیب ہو تو غنیمت ہے۔ ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ہمیں حکومت ہند سے اس مسئلے میں اور کچھ طلب نہیں، اور نہ وہ ہماری مخاطب ہے۔

ہمارے مخاطب تو صرف وہ مسلمان ہیں جن سے "پرسنل لا" کا تعلق ہے۔

اس کنونشن کا مقصد فتویٰ دینا نہیں — بلکہ عامۃ المسلمین کی رائے کو بیدار کرنا، اس میں جستجو جگانا، اسے باشعور کرنا ہے۔ ہم یہاں اس جلاس میں اہل علم اور اہل عمل سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہمیں قرآن میں، دین میں، شریعت میں، شریعت کے قوانین میں ایسی تبدیلیاں درکار ہیں، جن تبدیلیوں کا پرچار بعض خاص حلقوں کی طرف سے، بلکہ خاص مصلحتوں سے کیا جا رہا ہے؟ کنونشن کے پلیٹ فارم سے ہم یہ ضرور اظہار کرنا

چاہتے ہیں کہ شریعت کے مقرر کئے ہُوئے تیرہ[۱۳] صدیوں تک برتے ہوئے زندہ اصول، خود ایک قانون اور نظامِ عمل ہیں جو اُن لوگوں کو جان سے زیادہ عزیز ہیں، جن پر رحم کھانے والے آج مصنوعی آنسو بہا رہے ہیں اور اپنی عقلوں یا مصلحتوں کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابدی مصلحتوں سے بلند سمجھ رہے ہیں۔ نعوذ باللہ

رسائل "اخوان الصفا" میں کہا گیا ہے:—

"واعلم ان نظر واضعی الناموس فی موجبات احکامہ لیس بنظر جزئی یرید صلاح بعض دون بعض ولا عاجل دون اجل، بل نظرہ کلی یرید الصلاح للکل والخیر للعاجل والاجل جمیعا، بالنظر فی العواقب، ومایؤول الامر الیہ فی المنقلب"

"شریعت کے احکام جاری کرتے وقت صاحبِ شریعۃ (ناموس) کی نظر جزئی نہیں بلکہ کلی ہوتی ہے اور کسی ایک کے بجائے تمام کی صلاح وبہتری کی نیت ہوتی ہے اور حال و مستقبل کی بھلائی مدِ نظر رکھی جاتی ہے، انجام بیں اور جو تبدیلیاں آنے والے زمانے میں در پیش ہوں گی، اُن پر نگاہ رکھ کر قانون وضع کیا جاتا ہے۔"

حاضرین وحاضرات!

جہاں جہاں تک یہ آواز پہنچ سکے، میں بزور پہنچانا چاہتا ہوں، کہ مسلمانوں کی معاشرتی پستی، سماجی تباہ حالی یا تعلیمی پس ماندگی کا سبب تو دین ہے، نہ دین کا مقرر کیا ہوا وہ معاشرتی برتاؤ کا اصول، جسے Personal law کہا جانے لگا۔

"سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے"

اگر کوئی نظام ترمیم طلب ہے تو وہ اُس زمین کا نظام ہے، جس زمین پر مسلمانوں کی زبان، تہذیب، مکان، دکان، روزگار، تعلیم، تجارت، صنعت، کاروبار، اور معاشرتی حیثیت کو کسی قدر زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہاں ترمیم اور اصلاح ہونی چاہئے — لیکن اُن حالات کی جو قومی اور معاشرتی ترقی کے دھاروں سے مسلمانوں کو دور یا الگ رکھنے میں کبھی کامیاب اور کبھی ناکام ہوئے ہیں۔ آئیے! ان پر اپنی آواز بلند کریں — آئیے اُن کی اصلاح کی تدبیریں مل کر سوچیں۔ ایسے کنونشن کی ضرورت ابھی باقی رہتی ہے۔

موجودہ اجلاسوں کی اہمیت وقت گذرنے کے ساتھ بڑھتی جائے گی کیونکہ واقعی آج کی دنیا کو جو معاشرتی یا سماجی مسائل درپیش ہیں اور جن پر کبھی فلسفیانہ لفاظی اور کبھی ریاکاری کا پردہ ڈال کر چھپانے کی کوشش ناکام رہتی ہے، وہ خود ہندستان کے اہلِ فکر کے لئے قابلِ غور ہیں۔ کیا MONOGAMY (ایک زوجگی)، طلاق، وراثت، بینکنگ (BANKING) پراپرٹی کے جدید قوانین نے، سماجی مسئلوں کا حل ڈھونڈھ لیا؟ کیا آج کل افلاس اور دولت دونوں کی کیفیت اور مقدار Quality and Quantity بڑھتی نہیں جا رہی؟ جب ہم ان سوالوں کا جواب تلاش کریں، تو فوراً ہی ایک نظر شریعت اسلام کے مقرر کئے ہوئے قوانین پر ڈال لیجئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو فطرت کا دین فرمایا ہے۔ غور کیجئے کہ کیا فطرتِ انسانی ایک مناسب ورمتناسب سوسائٹی کے لئے جتنی حدیں اور جتنی پابندیاں چاہتی ہے، وہ اسلام کے علاوہ کسی اور کھلی (Permissive) پابندی (restraints) سوسائٹی کے پاس موجود ہیں؟ کیا شادی کے سوال کا اولاد سے اور اولاد کا وراثت سے، اور وراثت کا پوری سوشل زندگی سے لازمی رشتہ نہیں ہے؟

اگر ہے تو کیا اسلام کی شریعت آجکل کی کھلے بندوں اور ڈھکی چھپی حالت کے درمیان کا راستہ (طریق وسط) نہیں ہے؟ اور اگر ہے، تجربہ بتاتا ہے کہ ضرور ہے، تو کیا ہمیں اپنے بچاؤ کی اپنی طرف سے نیم خواندہ لوگوں کے سامنے صفائیاں پیش کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ — ہرگز نہیں — ہمیں تو میدان میں نکلنا چاہئے۔ صاف دو ٹوک لفظوں میں کہنا چاہئے کہ اے پریشان فکر اصلاح پسندو! اے سوشل ریفارمرو — آؤ — دیکھو، ہمارے "پرسنل لا" میں کیا گنجائشیں ہیں اور کیا پابندیاں ہیں، جن پابندیوں اور سہولتوں کو تم آج تک بے خبری یا تعصب کے کارن محض دقیانوسی یا قابلِ ترک سمجھتے رہے اُن کو سمجھنے کی کوشش تو کرو — یہاں دوسرے مذاہب اور سماجوں کے لئے ایک زندہ مثال ہے۔ تحقیق اور تحقیق سے کھلے گا کہ شریعت کے مطابق کئے ہوئے "پرسنل لا" میں ترمیم کی ضرورت نہیں — بلکہ ترمیم طلب لوگوں کو اپنے ذہنوں کی اصلاح اور اپنے معاشرتی قوانین کی ترمیم کرنی چاہئے۔

آج ترمیم پسندی اور تحریف پسندی کی اصطلاحیں دنیا کے دو بڑے جدید تر نظاموں کے درمیان بحث بلکہ گالم گلوج کا نکتہ بنی ہوئی ہیں — میری مراد ہے روس اور چین سے — ہم اہلِ شریعت اس مرحلہ سے بہت پہلے گذر چکے ہیں — اور موجودہ صنعتی سماج کی اخلاقیات سے کہتے ہیں کہ ترمیم تو لازم ہے، مگر اُس نظامِ قول و عمل میں جس نے قول کو علمی نظر سے سمجھ رکھا ہے اور جس نے ذاتی معاملہ، ہمارا یہ ذاتی معاملہ یا شریعت کا دیا ہوا دینی قانون — دوسروں کے لئے قابلِ تقلید مثال ہے۔

لیکن ضرورت ہے کہ:

★ ہم اپنے تعلیمی نظام کی اصلاح اور ترقی کے لئے فوری قدم اٹھائیں۔

★ ہم ایسے تحقیقی ادارے Research Institutions خود قائم کریں، جو Comparative Study تقابلی مطالعہ کر کے ہمارے پرسنل لا کی فضیلت اور برتری دنیا کو دکھا دیں۔

مسلم پرسنل لا اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

مسلم پرسنل لا اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ہمارے ملک کی جمہوریت اور مسلمانوں کی ملی عزت کے لئے کسوٹی ہیں۔ مسلمانوں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اسی ملک میں رہیں گے۔ اسکی تعمیر و ترقی میں حصہ لینگے، مگر اس کے ساتھ ان کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ وہ اپنی ملی خصوصیات سے ہرگز دست بردار نہیں ہوں گے اسکے لئے قوانین شریعت اور ان کے اپنے قائم کردہ تعلیمی اداروں کا تحفظ ضروری ہے — یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ روس سے دوستی کے معاہدہ کے بعد اشتراکی نظریات سے متاثر ہو کر ہمارے ملک کے کارفرما دماغوں میں نیشنلزم اور سیکولرزم کے غلط تصورات قائم ہو گئے ہیں۔ ان غلط تصورات کا پہلا شکار علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ہوئی ہے۔ دوسرا شکار قوانین شریعت مطہرہ ہونے والے ہیں بلکہ ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ لہٰذا فراستِ مومن کا تقاضہ ہے کہ ہم ان مسائل کو الگ الگ نہ سمجھیں۔ یہ دونوں ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم ہوا کے رُخ کو پہچانیں اور قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے اس کے دفاع کے لئے متحد اور متفق ہو کر کربستہ ہو جائیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے نہ صرف یہ کہ حکومت کا غلط پروپگنڈا بے اثر ثابت ہو اور ملت اسلامیہ کے اضطراب کی نشان دہی بھی ہو سکے بلکہ حکومت مجبور ہو کہ وہ ملت اسلامیہ کی خواہش کے خلاف ان مسائل میں دخل اندازی نہ کر سکے۔ صرف اسی طرح ملت کے مذہبی تعلیمی تہذیبی اور سماجی وجود، نیز ملک کی جمہوریت کی ضمانت مل سکتی ہے۔

آل انڈیا مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی کنوینر

★ ایسی تصانیف شائع اور ان کی اشاعت عام کی جائے جن سے "مسلم پرسنل لا" کی خوبیوں پر روشنی پڑتی ہو۔ ہمیں شرمانے اور عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں اس پیغام کو' جو ہمارے دلوں میں بسا ہوا ہے پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ کنونشن ان مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کو بھی عملی اور ٹھوس تدبیر کی صورت دے دے تو ہم اپنے بزرگوں کی امانت کے ساتھ انصاف کریں گے اور اپنے ملت اور زمانے کی بھلائی بھی کرسکیں گے۔ آیئے اس بار امانت کو اپنے شانوں پر فخر کے ساتھ اٹھالیں والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بمبئی کنونشن کا
خطبۂ استقبالیہ
از جناب محمد یوسف پٹیل صدر استقبالیہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

صدر محترم' علماء کرام اور عمائدین عظام!

سب سے پہلے میں بارگاہ رب العزت میں اظہار کے لئے شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے اپنی آنکھوں سے ایسا منظر دیکھنے کا موقعہ دیا جس کا آج سے پہلے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس اہم تاریخی اجتماع میں ہندوستان کے گوشے گوشے سے ملت اسلامیہ ہند کا قلب و دماغ کھینچ کر آگیا ہے۔ یہاں ایک طرف دارالعلوم دیوبند کے قدیم تاریخی اور مرکزی ادارے سے تعلق رکھنے والے بزرگان ملت ہیں تو دوسری طرف مسلم یونیورسٹی علیگڈھ' جامعہ عثمانیہ حیدرآباد' مظاہر العلوم سہارنپور' ندوۃ العلماء لکھنؤ' جامعہ نظامیہ حیدرآباد' جامعہ دارالسلام عمرآباد' مدرسۃ الاصلاح سرائے میر' جامعہ سلفیہ دربھنگہ' مرکزی دارالعلوم بنارس' جامعہ سیفیہ سورت' اسلامیہ کالج شانتا پورم' درسگاہ اسلامی رامپور' باقیات الصالحات ویلور' اور جامعۃ الفلاح اعظم گڈھ اور دیگر تعلیمی اداروں سے وابستہ معماران ملت بھی موجود ہیں۔

نیز ان حضرات کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند' آل انڈیا مسلم لیگ' جماعت اسلامی ہند' کل ہند اتحاد المسلمین' آل انڈیا ملی جمعیت علماء' انجمن مہدویان' خلافت کمیٹی' کل ہند مجلس تعمیر ملت' آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور مسلم مجلس مشاورت وغیرہ تنظیموں کے قائدین ملت بھی اس محفل میں رونق افروز ہیں۔

پھر انہیں کے دوش بدوش اہل اسلام کے تمام مکاتب فکر یعنی اہل سنت والجماعت' اہل تشیع' داؤدی بوہرہ' سلیمانی بوہرہ' اصحاب الاثر و الحدیث' مشائخ عظام وسجادہ نشینان اور دیگر پیشوایان ملت بھی مجلس آرا ہیں' اور پھر انہی کے پہلو بہ پہلو تجربہ کار سیاست داں' ماہرین قانون' دانشور' مفکر' ارباب صحافت و اصحاب قلم اور دیگر سیکڑوں خادمان ملت اپنے پہلو میں ایک دردمند دل لئے تشریف فرما ہیں۔

حضرات! جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں مسلمانان ہند کا یہ عظیم نمائندہ اور تاریخ ساز اجتماع اسلامی شریعت کو لاحق شدہ خطرہ سے نجات حاصل کرنے کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے جو مسلم معاشرتی قانون کے تحفظ اور اس کی بقا

پر سراسر غیر اسلامی اور لامذہبی قانون کے نفاذ کی شکل میں اُبھر کر ہمارے سامنے آچکا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر اس اجتماع خاص کے پس منظر پر کچھ روشنی ڈالوں اور آپ کے سامنے ان واقعات و حالات کی ایک تصویر پیش کروں جن سے ہم اس کنونشن کے انعقاد سے قبل گذرے ہیں۔

آج سے دس سال پہلے ۱۹۶۲ء میں ہماری ریاست مہاراشٹر کے ایک مسلمان ممبر مسٹر حسن علی ممدانی نے سب سے پہلے مسلم پرسنل کے خلاف آواز اٹھائی۔ پھر اس کے بعد اسی قسم کی باتیں دوسرے ممبران اسمبلی نے بھی کہنا شروع کیں اور ہندوستان کے قلب دہلی سے بعض ذمہ دار و بعض غیر ذمہ دار اصحاب نے بالواسطہ یا بلا واسطہ مسلمانوں کے پرسنل لا کو نشانہ بنانا شروع کر دیا جس کا شدید ردعمل ہم سب پر بھی اسی طرح ہوا جیسا کہ ہندوستان کے دوسرے گوشہ میں آباد مسلمانوں پر ہو سکتا ہے لیکن یہ مسئلہ اس وقت اور زیادہ کھل کر منظر عام پر آگیا جب اسی سال، ۲ جولائی کو مہاراشٹر اسمبلی کے ایک ممبر کے بیس ڈھونگے نے مسلمانوں کے لئے ایک سے زائد شادی پر پابندی کا بل پیش کر دیا اور اس کے لئے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ :-

" یہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ یہ ایک مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور انسانی مسئلہ بھی ہے، اس بل کا مقصد کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہونچانا نہیں ہے، لیکن قوم کے مفاد کو مذہبی کتابوں کے مفاد سے بہرحال بلند ہونا چاہیئے، لہٰذا قومی مفاد کی حفاظت اور قومی پالیسی میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے ایک سے زائد شادی پر پابندی کا قانون مسلم بھائیوں پر بھی اسی طرح نافذ ہونا چاہیئے جس طرح دوسروں پر نافذ کیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ چند سالوں بعد ہندوستان کو پاکستان میں ضم کرنے کا مطالبہ کھڑا ہو جائیگا "۔

(ملاحظہ ہو " لوک راجیہ " یکم اگست ۱۹۶۲ء)

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صاحب موصوف کیا بات فرما گئے۔ اس موقع پر مسٹر ڈھونگے کے علاوہ جن لوگوں نے ان کے بل کی تائید میں اظہار خیال کیا انہوں نے اپنی تقاریر میں مندرجۂ ذیل نکات پیش فرمائے :- ان حضرات نے کہا کہ مسلمانوں کے لئے ایک سے زائد شادی پر پابندی اس لئے ضروری ہے کہ :-

۱ - مسلم معاشرہ میں اصلاح و ترقی ہو۔

ذہنی و تہذیبی ارتداد کا خطرہ

آج صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو ان کو قومی دھارے میں بہنا چاہیئے اور قومی دھارے کے یہ معنی ہیں آپ تمام تشخصات سے دست بردار ہو جائیں، آج کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان رہو تمہیں کوئی نہیں ٹوکتا، یہ فرقہ وارانہ فسادات تو ایک مریض کی ہذیانی کیفیت اور ہسٹریا کا ایک دورہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہیگا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ بہت کم ہو گئے ہیں اور میں پیشینگوئی کرتا ہوں کہ وہ اور بھی کم ہو جائینگے، میرے نزدیک یہ اصل خطرہ نہیں۔ اصل خطرہ نسل کشی کا نہیں معنوی ارتداد کا ہے۔ ذہنی و تہذیبی ارتداد کا ہے اس خطرہ کو دیکھنے اور محسوس کرنے کیلئے کسی بڑی فراست اور دوربینی کی نہیں یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے جسکو ہر ایک پڑھ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے جن کو آنکھیں دی ہیں صاف دیکھ رہے ہیں کہ آج علیگڈھ کا معاملہ ہے کل دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کی باری آ سکتی ہے۔ بشرطیکہ اپنی غیرت و خودداری کا ثبوت دینا ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۲۔ مسلم معاشرہ سے اندھی عقیدتمندی کا خاتمہ ہو۔

۳۔ مسلم عورتوں کی مظلومیت کا خاتمہ ہو۔

۴۔ مملکت کی سوشلسٹ اور سیکولر پالیسیوں اور مسلمانوں کی ازدواجی قانون میں ہم آہنگی پیدا ہو۔

۵۔ مسلمانوں کی رائے عامّہ کا احترام کرتے ہوئے ان کے ازدواجی قانون میں اصلاح کی جائے (یعنی ان کے پرسنل لا میں تبدیلی لائی جائے)۔

یہ آخری خیال جن صاحب نے پیش کیا، وہ بھی مسلمان ہی تھے یعنی ہمارے ریاست مہاراشٹر کے وزیر قانون مسٹر عبدالرحمٰن انتولے۔ ان حضرات نے مسٹر ڈھونگے کے بل کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں میں ایک سے زائد شادی پر پابندی کا قانون نافذ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ مسلم رائے عامہ یہی چاہتی ہے اور ہمیں ان پانچ فیصد لوگوں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے جو اس کے خلاف ہیں، گویا ان حضرات کے نزدیک وہ سب لوگ جو یہاں موجود ہیں صرف پانچ فی صد مسلمانوں کے نمائندے ہیں اور پچانوے فی صد مسلم اکثریت مسٹر انتولے جیسے اصحاب کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے، وزیر موصوف نے ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا مسلمانوں کے شادی بیاہ کے قوانین میں تبدیلی کتاب و سنّت کے خلاف نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ وہ پانچ نکات جن کا میں نے ابھی ذکر کیا اور پھر پانچویں نکتے کی وہ تشریح جو مسٹر انتولے نے پیش کی اور مسٹر ڈھونگے کے بیان میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے خطرہ کا اظہار ایسی باتیں نہیں ہیں جن سے نہ صرف علمائے کرام و

عہد جدید کا فتنۂ عظیم

حضرات!

اس زمانہ کا فتنہ اور چیلنج کیا ہے؟ اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان و ادب اور رسم الخط اور اس کے پورے ورثہ سے الگ کر دیا جائے، اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم و تقریبات کا (جو بعض مذاہب کا کل سرمایہ اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) مثلاً شادی اور غمی میں کیا ہونا چاہئے، مردے کو کس طرح آخری مرحلہ سے گزارا جائے وغیرہ وغیرہ۔ بس اسلام انہیں مذہبی و معاشرتی رسوم (RITES) کا مجموعہ بن کر رہ جائے۔ میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو، لیکن پھر بھی اندازہ ہے کہ شاید ابھی یہ مرحلہ دور ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، آپ کو کوئی خاص عقیدہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ آپ روزہ نہیں رکھ سکتے۔ آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ لیکن وہ مرحلہ ضرور آگیا ہے کہ مسلمانوں سے اشارے کنایہ سے اور کبھی کبھی صاف کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا و رغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کر لیں جو ان میں ایک الگ ملت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ وہ خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں ہیں۔ وہ خود اپنے عائلی قانون (پرسنل لا) میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کریں اور اپنے لئے وہی یکساں قانون پسند کریں جو سارے ملک کے لئے نافذ ہو۔ وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند و ضرورت کے مطابق قائم کئے تھے حکومت کی تحویل اور انتظام میں دے دیں اور ان کے نظم و نسق سے خود ہی دستبردار ہو جائیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

پیشوایانِ دینِ متین ہی متاثر ہوں بلکہ ہر وہ حساس مسلمان جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہے اور اپنے ایمان و عقیدہ اور شریعت اسلامیہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے کس طرح اپنے احساسات اور جذبات پر قابو پا سکتا ہے۔

یہ تو وہ واقعات ہیں جو حکومتی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن حکومت کے دائرہ سے باہر ترقی پسندی اور اصلاح پسندی کی آڑ لیکر جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ بدقسمتی سے اسی ریاست مہاراشٹر سے تعلق رکھنے والے چند ایسے نام نہاد مفکر اور اہلِ قلم بھی ہیں، جنہوں نے اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے بنیادی عقائد کے خلاف دشنام طرازی کی ایک مہم چلا رکھی ہے حتیٰ کہ پیغمبر انسانیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں دریدہ دہنی اور گستاخی نیز قرآن کریم جیسی کتاب ہدایت کی توہین بھی، ان لوگوں کا پیشہ بن چکی ہے۔ اسی طرح ایک سابق پروفیسر قانون اور ان کے چیلے چانٹوں کا گروہ وقتاً فوقتاً قرآن کریم کے مرکزی فکر اسلامی عقائد اور قانون شرعیہ کو کبھی بالواسطہ اور کبھی بلا واسطہ نشانہ بناتا رہتا ہے اور مسلم نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ حال ہی میں اسی طبقہ کے دس افراد کی جانب سے ایک مشترکہ بیان مسلم شرعی قوانین میں تبدیلی کی تائید میں شائع کرایا گیا، اسی طرح سنا گیا ہے کہ ہماری پڑوسی ریاست آندھرا میں بھی اسی قسم کے دس افراد کے دستخطوں کے ساتھ اسی مضمون پر مشتمل ایک بیان شائع ہوا ہے معلوم نہیں یہ ہر جگہ دس کا عدد کیوں منتخب کیا گیا ہے ع

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

ان سب واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اطراف دینِ اسلام کے خلاف منظم اور ہمہ گیر سازش پک رہی ہے۔ اسی طرح اس سازشانہ طریقۂ کار کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو اس میں آلۂ کار ہیں اس ڈرامہ کے اصلی کردار نہیں ہیں بلکہ محض کٹھ پتلی ہیں جنہیں پردے کے پیچھے سے دوسرے نچا رہے ہیں —— بہرحال "خدا شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد" کے مصداق اسی مہاراشٹر میں مسلمانوں کے تمام طبقات عوام اور خواص ہر ایک میں ان خیالات کا شدید ردِّعمل ہوا۔ مسلم لیگ، جماعت اسلامی سنی جمعیۃ علماء، جمعیت علمائے ہند اور دیگر مسلم تنظیموں کے رہنماؤں نے ہر پہلو سے مسلم پرسنل لا کو ناقابلِ ترمیم و تنسیخ قرار دیا، مہاراشٹر کے مختلف شہروں میں اور خود ہمارے شہر بمبئی میں نوجوان اور تعلیم یافتہ خواتین کے زبردست اجتماعات ہوئے جن میں ہزاروں نے شرکت کی اور مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تبدیلی اور یکساں سول کوڈ کی پُرزور مذمت کی۔ مہاراشٹر اسمبلی کے اندر بروقت مولانا ضیاء الدین بخاری ایم ایل اے مسلم لیگ نے ہاؤس کو متنبہ کیا۔ اسی طرح حکمران کانگریس کے مسٹر عمر قاضی نے اپنے ایمانی جذبات سے متاثر ہو کر مسلم پرسنل لا کے خلاف اٹھنے والی آواز سے اختلاف کیا لیکن یہ ہے، کہ مسلمانوں کے اس عظیم احتجاج کو تو ہمارے قومی کہلانے والے پریس نے نظر انداز کر دیا جیسا کہ اسکی ہمیشہ سے عادت ہے۔ اس طرح اسلام کی حقیقی آواز تو دبا دی گئی مگر نقلی اور مصنوعی آوازیں بار بار نمایاں کی جاتی رہیں۔

حضرات! یہ باتیں آپ کی خدمت میں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ جونہی شریعتِ اسلامی کے قلب پر حملہ کا اندیشہ پیدا ہوا ہے، ملت کے ہر طبقہ اور ہر فرد میں اس کے خلاف احساس پیدا ہو۔ یہی سبب تھا کہ جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اور ان کے ہمراہ مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا منظور نعمانی اسی سال مارچ کے آخر میں بمبئی تشریف لائے اور اس مہینہ کی ۲۴ تاریخ کو مسلمانانِ بمبئی کا ایک نمائندہ اجتماع طلب کیا اور اس میں یہ آگاہی دی کہ:—

۱۔ مسلم پرسنل لا ناقابلِ ترمیم و تنسیخ ہے اور اس میں تبدیلی

۴۸۹

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن

(برائے تحفظِ قوانینِ شرعیہ)

کا

خطبۂ صدارت

از

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ وبعد

حضراتِ گرامی قدر! اس عظیم نمائندہ اجتماع کے لئے جس میں مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر اور مؤقر تنظیموں کے علماء وفضلاء اور ملک کے دانشور جمع ہیں صدارت کسی ایسی بڑی اور نمایاں شخصیت کے سپرد ہونی چاہئے تھی جو اس عظیم اجتماع کے شایانِ شان اور اس کے لئے مزید عظمتوں کا باعث ہوتی۔ اس کے برخلاف ایک ایسے شخص کے سپرد کر دی گئی ہے، جو جسم وروح اور ظاہر وباطن دونوں کے لحاظ سے کمزور اور قلیل البضاعت ہے، اور جتنی بضاعت ہے وہ بھی مزجات ہے۔

درحالیکہ اس مؤقر مجمع میں ایسے اکابر علم وفضل موجود ہیں جو بسطۃ فی العلم والجسم دونوں لحاظ سے اس ذمہ دارانہ منصب کے لئے احق اور ملک وقوم پر اثر انداز ہونے کی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں۔

اس صورت میں مجھ جیسے طالب علم کے لئے اس بڑی ذمہ داری سے بادب معذرت کر دینے کا موقعہ تھا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اقویا کے مقابلہ میں اس درجہ کا کمزور ہونا بھی بہرحال ایک امتیاز ہے اور بڑے کمال کے مقابلہ میں بڑا نقصان بھی کمال ہی سے نسبت رکھتا ہے، جو درحقیقت اس کمال کے نمایاں اور واضح کر دینے کا ایک بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

وبضدّھا تتبین الاشیاء

ضد ہی سے اصل کا تعارف اور تبیّن ہوتا ہے۔ اضداد نہ ہوں تو کمالات کی بہت سی قوتیں چھپی کی چھپی رہ جاتی ہیں۔ اگر ظلمت نہ ہو تو نور کے پہلو نہیں کھل سکتے۔ اگر رات نہ ہو تو دن کی قدر وقیمت معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر جہل نہ ہو تو علم کی عظمت نمایاں نہیں ہو سکتی۔ اگر ضعف نہ ہو تو قوت کی قدریں نامعلوم رہ جائیں۔ اگر ناقصین نہ ہوں تو کاملین کے کمالات کے پہلو سامنے نہیں آ سکتے۔

اس حقیقت کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس ضعیف ونکارہ کا انتخاب بہت ہی موزوں ومناسب ہوا اور جیسے انتخاب شدہ کو یہ بلاچون وچرا قبول کر لینا چاہئے تھا اسی طرح انتخاب فرمانے والے بزرگ بھی میرے ہی نہیں بلکہ پورے اجتماع کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حقیقت شناسی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

لیکن اس شکریہ سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ہم سب کو اس خداوند بزرگ وبرتر کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جس کی عطا کردہ توفیق سے ہم سب یہاں ایک جگہ جمع ہیں اور کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے

ہیں۔ نہ صرف ہمارے اجسام ہی ایک دوسرے سے قریب ہو گئے ہیں بلکہ
میں سمجھتا ہوں ہمارے دل بھی ایک دوسرے سے قریب اور رابطۂ ملت
اسلامیہ کے جذبہ کے تحت قریب تر ہو جانے کے آرزومند ہیں۔

بزرگانِ محترم! ہمیں ملانے والی چیز صرف اللہ
کا نام اور اس کا مستند کلام ہے اور ہمارے دین کی واحد اساس کلمۂ طیبہ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہمیشہ کی طرح
آج بھی ہمارے اس ملی اتحاد کا سرچشمہ ہے ہم اللہ کے نام سے زندگی کا آغاز
کرتے ہیں اور اسی کے کلام کو اپنی زندگی کا قانون سمجھتے ہیں اور اللہ کے
سچے رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ
قدسی صفات کو کمالاتِ خداوندی کا نمونہ اور اپنی دنیا و آخرت کا کامل
و مکمل رہنما اور مربی یقین کرتے ہوئے ان ہی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو
اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھتے ہیں۔

اسی پاک اسوہ سے ہماری زندگی بنی ہے اور اسی سے آئندہ
بنے گی اور اسی پر خاتمہ سے ہماری آخرت کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا } اس امت کا آخری حصہ بھی اسی سے صلاح و فلاح پا سکتا ہے جس سے امت کے اول حصہ نے صلاح و فلاح پائی

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یہی وہ روشنی اور رہنمائی ہے جس نے صدیوں کے خلا
کو پر کر کے ہمیں ایمانی عزیمت عطا کی اور ہم لوگوں کو جو ٹکڑے ٹکڑے
تھے۔ آج کے دن ایک جسمِ واحد کی طرح ایک جگہ جمع کر دیا اور ایک بار پھر
اپنی شریعت اور اس کے مسائل کی حفاظت کے لئے اس مقام پر کھڑے
ہونے کی ہمت بخشی۔

بلاشبہ جس طرح آج کا یہ اجتماع عظیم ہے اسی طرح یہ
دن بھی ایک عظیم بلکہ عظیم تر دن ہے جس میں بظاہر ایک ناممکن سی
بات نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بن کر سامنے آ گئی ہے اور واعتصموا
بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا کا پاکیزہ منظر
آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔

حضراتِ گرامی! ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ
کسی شکل میں ہوتا رہا ہے لیکن اس دور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملتِ
اسلامیہ کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء، دانشور اور رہنما وحدتِ
کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطۂ وحدت پر جمع ہیں۔ اسی روشنی میں
اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید و رسالت اور جذبۂ وحدت
کی جو امانت امت کو سپرد کی گئی تھی ہم اس کی حفاظت کے فریضہ کو
فرض کی طرح ادا کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ یہ امانت ہمیں جان و
مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنی جانوں سے دستبردار ہو
سکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دستبردار نہیں ہو سکتے

بزرگانِ محترم! آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ
اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی
روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت و درایت کے لحاظ سے کی
ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔
مذاہب کی دنیا دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اور مذاہب کی مثال ایک
ایسی مملکت کی سی ہے جس کی سرحدیں نہیں اگر ہیں تو وقت کے دھارے
سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں لیکن اسلام ایک ایسی مملکت ہے کہ جس کی
سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں
جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں۔ زمانہ کی کسی بھی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ
سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان سرحدات سے
باہر نکل جائیں مگر یہ ان کی تعدی ہوگی حدود اپنی ہی جگہ اٹل رہیں گی

تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد
حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون۔

اسلام کا قالب جن قانونی دستاویزوں اور فطری اصول
سے مشیت خداوندی نے تیار کیا ہے ان میں تمام ہنگامی اور دوامی
اصلاحات اور ان کے اصول و قوانین جمع کر کے ان میں سے ان

تمام سماجی برائیوں کو نکال دیا ہے جن کا نام جاہلیت تھا۔ اس میں کسی تغیر اور تبدیلی کے معنیٰ اسی جاہلیت کو دوبارہ لے آنے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے جس سے مالکِ مطلق نے انسانیت کو پاک کر کے درجۂ کمال پر پہنچایا تھا۔

آج پرسنل لا کے نام پر ان تبدیلیوں کا مواد بنام اصلاح و ترمیم پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا حقیقتاً یہ اصلاح کوئی اصلاحی تحریک ہے۔ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے جیسے قرنِ اوّل کے منافقین انما نحن مصلحون کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن عالم الغیب والشہادہ نے کھلا اعلان فرما دیا الا انہم ھم المفسدون ولکن لا یعلمون۔

ہم اپنے دین و دانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے بلکہ دور بین سے دیکھئے یا خورد بین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے سو یہ آپ کی سیاست ہی آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔

ہندوستان کا دستور مذہب اور سیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملہ میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں،

آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹ اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حکومت کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں۔ مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کتنا دیوث ہے جو لاکھوں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائط عدل و دیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا ہے۔ اور اس غلاظت پر ان مظلوم عصمت کی ماری بازاری گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی دار و گیر کار وا دار ہے۔ سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں۔ آج بھی اس ملک میں ایسے فرقے ہیں جو اسّی اسّی بیویاں رکھتے ہیں اور سماج ان کے بارے میں چوں تک نہیں کرتا بقول بابو ایبے چندرا اور بابو گریندر ناتھ دت اس ملک میں۔

ایسے کامن برہمن بھی ہیں جن کی پچاس پچاس اور سو سو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کے پاس ایک نوٹ بک رہتی ہے جس میں وہ اپنی بیویوں کی ولدیت اور گاؤں کا نام لکھ لیتے ہیں اور (پھر بھی) انہیں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جس سے وہ ایک اجنبی سمجھ کر ملتے ہیں وہ ان کی بیوی یا لڑکا ہوتا ہے۔

(پروفیسر کے ایم۔ کپاڑیا کی تصنیف میرج اینڈ فیملی ان انڈیا صفحہ ۱۰۵ بحوالہ اخبار عزائم لکھنؤ ۱۴ نومبر ۱۹۷۲)

لیکن اسلام نے سماج کے اس وحشی دستور کے خلاف نو نو بیویاں رکھنے کے قانون کو محدود کر کے اگر چار کی گنجائش دی اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ اور اسی بے قید غلاظت سے سماج کو پاک رکھنے کے لئے تو مصلحین کی ٹولیاں قانون کے نشتر لے کر دوڑ پڑیں۔ جس ملک میں راتوں کے کلب ہوں، مادرِ وطن کی بیٹیوں کے بدن سے عصمت و عفت کا لباس رات بھر اتار کر تار تار کیا جا رہا ہو اور خدا کے غضب سے حکومت اور سماج بے نیاز ہو، ایسے ملک کے چند ایسے سر پھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود تو شرمانا چاہئے تھا جنہیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔ اُن میں اسلام کی فطری اور اعلیٰ و ارفع قانونِ عصمت پر حرف زنی کرنے کی ہمت آخر کہاں سے پیدا ہوئی۔ بے شمار بیویوں کی تعداد پر تو پابندیاں عائد کی جائیں مگر بے شمار غلیظ گناہوں پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی جذبہ نہ ابھرے، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں۔ کہیں بھی ہوں اور کتنے ہی شرمناک انداز میں ہوں۔

برائیوں کے بازار کھلے ہوئے ہیں، جن میں ہر برائی اور

ہر اخلاقی گندگی بکری کے مال کی طرح بکتی ہے۔ تباہ حال اچھوتوں کا کیا حال ہے۔ غریب ہندو عورتوں کا کیا حال اور مآل ہے۔ جوان نسل کے لڑکے اور لڑکیاں کن کن سماجی مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ جھونپڑیوں میں عورتوں کی عزت و عصمت کیسے دردناک حالات سے دوچار ہے۔ وہاں کوئی مصلح، کوئی لیڈر اس اصلاحی مہم کو لے کر اٹھنے کی تکلیف گوارا فرما کر نہیں پہنچا۔ اگر وہ اس اصلاحی مہم کو لے کر اٹھیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم سب اسی وقت ان مصلحین کے پروگراموں کا آخر تک ساتھ دینے کے لئے تیار رہیں۔

شاید ان ہی غلط طنزوں کی پردہ پوشی کے لئے پرسنل لا کے چند مسائل کو ہدف بنا کر ان میں ترمیمات اور اصلاحات کے نعرے لگائے جا رہے ہیں، یا ممکن ہے کہ اقلیتوں کو جذباتی ہیجان میں مبتلا رکھنے کی یہ کوئی تدبیر ہو۔ بہرحال نعرہ زنوں کا انداز فکر ہر لباس میں عریاں ہے۔ خواہ وہ آئین کا لباس پہن کر آئیں، یا سماج اور معاشرہ کی اصلاح کا۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی فرد دینِ خداوندی میں ترمیم و تبدیلی کا نعرہ بزعم خود کوئی اصولی بات سمجھ کر لگا رہا ہے تو میں اس اجتماع کے موقعہ پر اپنے تمام علماء کرام اور دانشورانِ محترم کی طرف سے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے اس عقیدے پر اٹل ہیں کہ جس طرح خدائے بزرگ و برتر نے اپنے نظامِ خلق کو اپنی سچی فطرت پر قائم کیا ہے۔ جس میں تبدیلی ناممکن ہے کہ لا تبدیل لخلق الله، اسی طرح اس نے اپنے نظامِ امر کو بھی جس کا نام دین ہے، اپنی اسی فطرۃ کی اساس پر قائم کیا ہے۔ اس لئے اس میں بھی تبدیلی ممکن نہیں۔ لا تبدیل لکلمات الله۔

یہ قانونِ فطرت ہے اور فطرت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی زمین، آسمان، چاند سورج اور کواکب نجوم کو نہیں بدل سکتا صرف اس سے فائدہ ہی اٹھا سکتا ہے تو دین کے کلیات و جزئیات احکام و آداب، اخلاق و عقائد، معاملات و معاشرت اور اجتماعی قوانین سے لے کر عائلی قوانین تک کی فطری حدود کو نہیں بدل سکتا، وہ صرف فائدہ اٹھانے کے لئے اتارے گئے ہیں، بدلنے کے لئے نہیں لائے گئے۔ بدلنے کی جب بھی سعی لاحاصل کی جائیگی تو خدائی حدود تو اپنی ہی جگہ قائم رہیں گی، لیکن بدلنے والوں کے حق میں سماج کا ڈھانچہ بکھر کر غلط طنزوں اور گناہوں کا ڈھیر ہو جائیگا جس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کی اس کائنات کا نظامِ خلق نہایت ہی مرتب اور فطرت کے اصول میں بندھا ہوا ہے جس کی کوئی ایک جزئی بھی عرش سے لے کر فرش تک اور ثریا سے لے کر ثریٰ تک بے جوڑ نہیں، اسی طرح اسی خدائے برتر و توانا کا نظامِ امر یعنی شریعت بھی غیر مرتب یا بے جوڑ نہیں۔ بلکہ اس کی بھی ایک ایک جزئی اپنے ہی فطری اصولوں سے بندھی ہوئی، اپنی ہی فطری تنظیم سے وابستہ ہے۔ اور ایک ہی فطرت الٰہی ہے جو ان دونوں نظاموں کو تھامے ہوئے ہے، جو فطرۃ اس کے کام میں کارفرما ہے وہی اس کے کلام میں بھی کارفرما ہے۔ الا له الخلق والامر تبارك الله رب العلمين۔

جس طرح اس نظامِ خلق میں یہ اربوں، کھربوں انفرادی جزئیات، حیوانات کی ہوں یا نباتات کی، جمادات کی ہوں یا مجردات کی، اپنی اپنی انواع، شیر، بکری، اونٹ گھوڑا گدھا وغیرہ سے وابستہ ہیں، نباتات کے بے شمار افراد، درخت گھاس، جھاڑ بیل وغیرہ اپنی اپنی انواع سے جڑے ہوئے ہیں اور جمادات کے ان گنت افراد، اینٹ پتھر، ریت چونا سیمنٹ، لوہا لکڑی، پہاڑ اور دریا وغیرہ اپنی جمادی انواع سے وابستہ ہیں، اسی طرح یہ ساری انواع حیوان و نباتات و جمادل کر ایک وسیع کلی جنس کے نیچے جمع ہو جاتی ہیں، جس کا نام جسم ہے کہ یہ ساری کی ساری نوعیں جسمانی ہی ہیں۔ پھر جسم کے دوش بدوش کچھ غیر جسمانی یا بجملہ لطیف الاجسام مجردات کی لطیف انواع ہیں، جو اپنی لطافت کے

سبب ان نگاہوں سے دیکھی نہیں جا سکتیں، جیسے ارواح، ملائکہ، جنات وغیرہ یہ سب مل کر ایک نہایت ہی وسیع اور عام تر جنس کے نیچے آجاتی ہیں جس کا نام جوہر ہے، جو بلا کسی غیر کے سہارے خود سے قائم ہیں۔ پھر جوہر کے دوش بدوش کچھ غیر جوہری اشیاء بھی ہیں جو خود سے قائم نہیں ہیں بلکہ دوسرے کے سہارے قائم ہیں جیسے ان جنسوں کے افعال و خواص، رنگ و بو، کیفیت، کم اور مقدار وغیرہ، پھر یہ سب جوہری اور عرضی موجودات مل کر ایک نہایت ہی وسیع حاوی اور محیط کائنات جنس کے نیچے آجاتی ہیں جس کا نام وجود ہے، کہ ان کائناتوں میں اس سے بڑا احاطہ کسی کلی کا نہیں جو ساری موجودات کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ وجود عین ذات حق ہے (جل ذکرہٗ) اس کی ذات اور وجود الگ الگ نہیں ہیں کہ وجود کا اس سے جدا ہو جانا ممکن ہو۔ اس لئے یہ ساری کائناتیں وجود کے واسطہ سے اس وجود مطلق اور موجود اصلی سے وابستہ ہو جاتی ہیں جس سے ان سب کا ایک ہی سرچشمہ ثابت ہوتا ہے اور اسی پہ ان کائناتوں کے وجود کی انتہا ہو جاتی ہے جسے قرآن حکیم نے دو لفظوں میں کھول دیا ہے وان الی ربک المنتھیٰ بلاشبہ تیرا رب ہی منتہی ہے جس پر ہر موجود کی انتہا ہوتی ہے۔ کہیں فرمایا وان الی ربک الرجعیٰ اور بلاشبہ تیرے ہی پروردگار کی طرف ہر چیز کا رجوع ہے (کہ وہ اسے چھوڑ کر ادھر ادھر نہیں جا سکتی) لیکن ساتھ ہی ان موجودات پر کائناتوں کی انتہا نہیں ہو جاتی۔ بلکہ موجودات سے کہیں زیادہ ان گنت معدومات بھی ہیں جنہوں نے ابھی تک وجود کا جامہ نہیں پہنا مگر ان کا موجود ہونا ممکن ہے اور وہ کائنات خلق میں شامل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے یہ ساری موجودات و معدومات مل کر ایک اور انتہائی حاوی و شامل اور محیط الکل کلی کے نیچے آئی ہوئی ہیں۔ اس جنس کلی کا نام علم خداوندی ہے، جو موجود و معدوم سب پر حاوی ہے پس موجودات علمی شکلوں میں موجود ہیں اور معدومات علمی صورتوں میں علم الٰہی میں سمائی ہوئی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان دو کلموں میں ارشاد فرمایا ہے، واحاط بکل شیئٍ علماً (اور وہ اللہ جل ذکرہٗ ہر چیز پہ خواہ وہ موجود ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو) اپنے علم سے محیط ہے۔)

بہرحال، اس مرتب نظام کائنات کی کائناتوں سے ہم فائدہ تو ضرور اٹھا سکتے ہیں اور ضرور اٹھانا چاہئے جبکہ یہ ہمارے لئے بنائی گئی اور مسخر کی گئی ہیں لیکن انہیں بدل ڈالنے کا تصور جنون اور حماقت سے کم نہیں جبکہ فطرت نہ بدلنے کی چیز ہے اور نہ بدلی جا سکتی ہے۔

لا تبدیل لخلق اللہ — اللہ کی خلقت میں تبدیلی ناممکن ہے۔
ذالک الدین القیم — یہی اس کا طریقہ اور
ولکن اکثر الناس لا یعلمون — [illegible]

ٹھیک اسی فطرۃ پہ خود کا نظام امر بھی ایک عجیب حکیمانہ ترکیب اور تنظیم کے ساتھ قائم ہے جس میں مسائل جزئیہ کے افراد بھی ہیں اور ان پہ کلی انواع بھی، پھر انواع کے اوپر اجناس اور اجناس پر جنس الاجناس کا احاطہ بھی جس سے دینی مسائل کی کثرتیں سمٹ کر وحدتوں کی طرف اور وحدتیں سمٹ کر وحدت الوحدات کی طرف رجوع کئے ہوئے ہیں۔ اور دین مثل ہستی کائنات کے ایک نہایت ہی منظم اور مرتب روحانی کائنات کی شکل میں جلوہ گر ہے۔

دین کے لاکھوں افراد مسائل کو ان کی انواع سمیٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً نماز ایک نوع ہے جس کے ہزاروں مسائل ہیں اور ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں حج ایک نوع ہے جس کے ہزاروں مسائل ہیں جن پر سینکڑوں تصنیفیں ہیں۔ مالیات و نفقات ایک نوع ہے جس کے نیچے ہزارہا جزئی مسائل ہیں اور ان پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات اور ہدایا، قرض و امانت وغیرہ مستقل نوعیں ہیں جن کے نیچے ہزاروں مسائل آئے ہوئے ہیں۔ تدبیر منزل ایک مستقل نوع ہے جس کے نیچے ولادت، رضاعت، تربیت، اور روابط و تعلقات کے ہزارہا مسائل ہیں۔ نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کی انواع کے

نیچے ہزارہا مسائل جمع ہیں۔ پھر شہری زندگی کے عمومی روابط اور علائق کی انواع ہیں جن کے نیچے طلاق، نکاح وغیرہ کے ہزاروں مسائل ہیں۔ پھر انتظام مملکت اور تعزیرات ایک نوع ہے جس کے نیچے ہزاروں سیاسی اور اجتماعی مسائل آئے ہوئے ہیں۔ پھر بین الاقوامی معاملات کے لئے خلافت ایک مستقل نوع ہے جس کے نیچے ہزاروں مسائل ہیں، جن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور پھر ان تمام انواع کے اوپر اجناس ہیں اور اجناس کو پھر ایک جنس کلی نے اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ بہرحال دینی انواع نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، مہر، خلع، ولادت، رضاعت، تربیت، لین دین، بیع و شراء، وقف و ہبہ، قرض، امانت، اجارہ، حدود، قصاص، کفارات وغیرہ وغیرہ کئی لاکھوں جزئیات مسائل اور ان کی بے شمار عملی صورتیں اور نمونے ہیں جن سے دینی کتابیں اور کتابوں سے دنیا کے لاکھوں کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ جن سے امت کی خصوصیت ہی کثرت تصنیف قرار پاگئی جیسا کہ بعض علماء امت نے دعویٰ کیا ہے۔

پھر ان انواع کے اوپر اجناس کلیہ ہیں جن کے نیچے یہ تمام نوعیں آئی ہوئی ہیں جیسے اخلاق، اعتقادات، عبادات، منزلیات، معاملات، معاشرات، مدنیات، اجتماعیات وغیرہ۔ پھر ان ساری مصالح کلیہ کا تعلق صفات خداوندی سے ہے جن کے تقاضوں سے یہ علل و اسرار اور ان سے یہ احکام نمایاں ہوئے، اور پھر ان تمام صفات الٰہی کا تعلق ایک ہی کلی الکلیات علم الٰہی سے ہے جس کے واسطہ سے یہ سارا نظام ذات بابرکات الٰہی سے جڑ جاتا ہے اور خلق و امر کی ساری کثرتیں سمٹ کر ایک ہی ذات واحد پر جاکر منتہی ہو جاتی ہیں اسی طرح خلق و امر دونوں میں توحید الٰہی کا عقیدہ فطری طور پر خود بخود ثابت ہو جاتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کا مشترک بعثت ہے۔

کان دین الانبیاء لآ الٰہ الا اللہ (سارے انبیاء کا دین لا الٰہ الا اللہ ہی رہا ہے)۔

اس لئے اسلام نے توحید کو محض شرعیات ہی کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ عالم خلق میں بھی ایک ایک فعل ایک ایک قول اور ایک ایک نیت اور ایک ایک ظاہری حیثیت تک وسیع کرکے توحید عملی کا ایک مستقل نظام قائم کیا ہے تاکہ زندگی کے ہر ہر موڑ پر اور اس کی ایک ایک نقل و حرکت پر بندہ اپنے خدائے واحد کی طرف رجوع رکھے اور شرک کی آلائشوں سے ملوث نہ ہو۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ جیسے کائنات خلق کے اس فطری نظام میں دخل اندازی انسانیت کی تباہی ہے اور جس طرح کائنات خلق اور اس کی اشیاء میں ترمیم و تنسیخ کا تصور یا عمل شرک اور خلاف توحید ہے اسی طرح اس کائنات روحانی اور اس کے کسی جزوی مسئلہ میں بھی انسانی ترمیم و تبدیلی ایک کھلا شرک ہے جسے مٹانے کے لئے انبیاء معصومین مبعوث ہوئے۔

اس لئے جیسے کائنات خلق سے ہم فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں، اسے بدل نہیں سکتے۔ اسی طرح کائنات امر یعنی شرائع سے بھی فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں اور اٹھانا چاہیئے، اسے بدل نہیں سکتے۔ اگر کسی ایک جزئی میں تغیر و تبدل کا تصور باندھا جائے گا تو یہ جزوی ترمیم نہ ہوگی جس کا ایک چھوٹا سا جزو یہ جزئی ہے اور نظام عمومی کا رشتہ جبکہ ساری انواع و جزئیات میں پرویا ہے تو جس دانہ کو بھی اپنی جگہ سے نکال دیا جائیگا وہ جزوی خرابی نہ ہوگی بلکہ پوری مالا اور ہار کی بد زیبی اور بدنمائی ہوگی جس سے ہار کی اصلی حسین شکل و صورت باقی نہیں رہ سکتی اور اسی درجہ میں روحانیت کی تباہی سامنے آجائیگی جس کی صلاح و فلاح کے لئے یہ دین اتارا گیا ہے، بلکہ ان اصول و کلیات اور ان کے واسطہ سے صفات الٰہی اور ان کے توسط سے علم الٰہی میں تغیر و تبدل کر ڈالنے کے ناپاک عمل کے مرادف ہوگا۔

جو ناممکن ہونے کے علاوہ انتہائی حماقت اور خیانت ہوگی، کہ آدمی بندگی کی حدود سے نکل کر خدائی حدود میں مداخلت کرنے کی شرارت کا مرتکب ہو۔ جبکہ پورے نظام دین و دیانت کا خاکہ بحیثیت مجموعی ایک متصل واحد شئی ہے۔ اس کے کسی جزو کو چھیڑنا پورے نظام کو چھیڑنا ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک حوض کے متصل، واحد پانی کی سطح پر اگر ایک سمت میں بھی ایک ڈھیلا پھینک کر اسے ہلا دیا جائے تو ناممکن ہے کہ یہ ایک سمت کی حرکت لہریں کر درجہ بدرجہ دوسری سمت تک نہ پہنچے۔ اسی طرح یہ تمام اسلامی شعبے اپنے اپنے اصول و کلیات کے تحت اور پھر یہ تمام اصول و کلیات اپنے باہمی ربط سے جڑ کر ایک ہی کلی الکلیات کے تحت باہم ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے اور گتھے ہوئے اور متصل واحد ہیں کہ دین کے کسی ایک چھوٹے سے گوشے کے حقیر سے حقیر تغیر کا اثر بھی پورے نظام کے ڈھانچہ پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین خدائی آئین و قوانین کے مجموعہ کا نام ہے، جو بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کے لئے بتوسط انبیائے معصومین بھیجا جاتا ہے اسلام اسی دین کا مکمل اور آخری نقشہ یا بعنوان دیگر تمام زندگی کے ہر ہر گوشہ کے لئے دستور فکر و عمل بنا کر اتارا گیا ہے جس میں جزئی احکام بھی ہیں اور اصول و کلیات بھی، علل احکام بھی ہیں اور مصالح و اسرار احکام بھی۔ ہر حکم کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور ہر علت کسی نہ کسی حکمت پر مشتمل، ہر جزئی کسی نہ کسی فطری کلی کے نیچے آئی ہوئی ہے۔ اور ہر کلی اپنے وسیع دامن میں ہزارہا فطری جزئیات کا ذخیرہ لئے ہوئے ہے۔ اس لئے دین ایک منظم اور منضبط ضابطۂ حیات کی صورت سے ہے۔ جبکی تمام جزئیات کلیات کی طرف سمٹتی گئی ہیں اور کلیات جزئیات کی طرف پھیلتی گئی ہیں اور آخرکار یہ ساری کلیات اپنی جزئیات سمیت ایک ہی کلی الکلیات یعنی علم الٰہی سے وابستہ ہوگئی ہیں۔

یہ منظم اور ظاہر و باطن کی اصلاح کا مکمل الٰہی قانون جس کا ایک اہم ترین جزو "پرسنل لا" بھی ہے چار حجتوں پر قائم ہے کتاب اللہ (قرآن حکیم) سنت رسول اللہ (حدیث نبوی) اجماع و قیاس، جو اجتہاد کے دائرے کی چیز ہے جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے قرآن تشریعی اصل ہے جس سے شریعت بنتی ہے۔ حدیث تشریحی اصل ہے جس سے شریعت کھلتی ہے۔ فقہ تفریعی اصل ہے جس سے شریعت پھیلتی اور منضبط ہو کر آئین کی صورت اختیار کرتی ہے جس طرح ہر مسلم فرقہ کے ہاتھ میں کتاب و سنت ہے اسی طرح کوئی فرقہ اجتہاد سے بھی خالی نہیں کہ نئے نئے حوادث سب کے لئے ہیں اور ان کے پیش آنے پر سب ہی اپنے اپنے اصول فقہ سے مسائل کا استخراج اور استنباط ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے فقہ ہر ایک کا الگ الگ ہے اور اصول فقہ جدا جدا۔ بنا بریں کسی بھی فرقہ کے لئے ان چار حجتوں سے چارہ کار نہیں۔ البتہ ان چار حجتوں میں سے پہلی دو اصلیں یعنی کتاب و سنت وحی الٰہی ہیں جو بواسطۂ ملک یا بکلام خداوندی قلب نبوت پر اتری ہیں۔ اور دوسری دو اجتہادی اصلیں یعنی اجماع و قیاس القاء ربانی ہیں جو کتاب و سنت کے علم راسخ، عقل صافی اور تقویٰ شعار ذوق و وجدان پر وارد ہوتی ہیں۔ اس لئے اسلام میں ایک شرائع اصلیہ ہیں جو پہلی دو اصلوں سے متعلق ہیں اور ایک شرائع فرعیہ ہیں جو دوسری دو اصلوں سے وابستہ ہیں مگر وہ پہلی ہی دو اصلوں سے ملحق اور ان ہی پر متفرع ہیں۔

اندریں صورت ان چار اصلوں میں سے کسی ایک کو بھی غیر شریعت کہنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی اور جو حصہ اجتہادی فرعیات کا ہے، خواہ وہ کسی بھی فرقہ کا ہو وہ جبکہ اس کے علم و یقین کے مطابق کسی نہ کسی قرآنی یا حدیثی کلیہ سے یا کسی جزئی حکم کی علت جامعہ سے بتوسط اجتہاد نکلا ہوا ہے تو کتاب و سنت ہی میں سے نکلا ہوا اس کا جزو ہوگا جس سے واضح ہے کہ مجتہد کا فعل صرف استخراج و استنباط مسائل ہے۔ ایجاد مسائل نہیں

محض مسئلہ کا بتلانا ہے، بنانا نہیں۔ اندریں صورت کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر شریعت کہا جائے۔ اور اسے شرعی حجت نہ مانا جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ ان تمام شرعی حجتوں کا درجہ حجیت یکساں نہیں ہے لیکن اس فرق سے چاروں کی نفس حجیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جبکہ تمام اعتقادی عناصر بالواسطہ اور بلاواسطہ کتاب وسنت ہی سے وابستہ ہیں، جو اس دین کی حقیقی اصلیں ہیں، یہ حق تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے اس امت میں ایسے مخصوص ورثۂ انبیاء بھی ہر دور میں پیدا کئے جنہوں نے وحی الٰہی کو بھاں بکمال صحتِ روایت وسند بامانت ہم تک پہنچایا اور اس وحی خداوندی کی چھپی ہوی جزئیات بھی بکمال درایت وتفقہ کھول کرامت کے سامنے رکھ دیں۔ بس جس طرح وحی کی روایت کو حفاظ اور محدثین نے ہم تک پہنچایا اسی طرح اس کی درایت کو فقہائے ملت نے ہم تک پہنچا دیا۔ اگر ان کی پہنچائی ہوی روایت شریعت الٰہی کا اہم جزء ہے تو یہ درایت بھی اسی شریعت کا دوسرا اہم جزء مانی جائے گی۔ اس لئے ان چاروں حجتوں اور ان سے ثابت شدہ احکام میں سے کوئی ایک چیز بھی بوجہ شریعت ہونے کے ایسی نہیں رہتی جو انسانی ترمیمات کے گرفت میں آسکے۔ ورنہ یہ فطرت کی تبدیلی کے مرادف ہوگا۔

اسی لئے ہم نہ صرف مسلمانوں بلکہ اس ملک کے عظیم رہنماؤں اور دانشور حکام سے یہ کہتے ہیں اور بڑے خلوص سے کہتے ہیں کہ ہم یکساں سول کوڈ کے منصوبہ کو مسترد کر کے اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا میں پارلیمنٹ کے ذریعہ سے ہو یا حکومت کے راستہ سے یا کسی اسمبلی کی سفارش سے کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اسلام کا قانون فطرت الٰہی پر قائم ہے اور وہ ناممکن التبدیل ہے۔

فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله (اور لاتبدیل لکلمات الله) ذالك الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو بنایا۔ خدا کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی ہے سیدھا دین لیکن انسانوں کی اکثریت اس سے جاہل اور ناواقف ہے۔

اس جہالت ونادانی کا نتیجہ ہے کہ دین سے جاہل اور ناواقف اور بزعم خود واقف کار ایک طبقہ کچھ جزئیات لے کر کھڑا ہوا ہے اور ان میں ترمیم کا مطالبہ کر رہا ہے۔ گویا اسے سارا دین چھوڑ کر جب اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کو جگہ نہ ملی تو ان چند جزئیات کو ہدف بنا کر سامنے آیا اور بزعم خود اس نے گویا بڑی فلسفیت اور زعیمی کا کارنامہ انجام دیا۔ ان ساری خرابیوں کی جڑ بنیاد مذہب کے بارے میں ان لوگوں کا سیاسی تصور ہے۔ یہ لوگ دین اور خدائے برتر کو بھی معاشی نقطۂ نظر اور پیٹ ہی کی خاطر سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے ایک کلیہ ایجاد کر رکھا ہے جس کے یہ گل کھل رہے ہیں اور وہ یہ کہ مذہب انسان کا ایک نجی اور پرائیوٹ معاملہ ہے۔ اس تصور کی نامعقولیت سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو کر اس کے آثار کو دیکھا جائے تو مشاہدات ہی سے اس کے اصول کا کھوکھلا پن سامنے آجاتا ہے۔ اس کے آثار میں پہلی مہلک صورت حال تو یہ پیدا ہوگی کہ پرائیوٹ معاملات میں ظاہر ہے کہ صرف عبادات اور اذکار ہی مذہب میں داخل رہ سکیں گے، بقیہ دین کے تمام شعبے جیسے معاملات، مالیات اور وہ تمام رابطے کہ جن میں انسان کا انسانوں کا سابقہ پڑتا ہے دین سے خارج ہو کر ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں گے، وہ جس طرح چاہیں گے اپنی من مانی کارروائیاں کر سکیں گے، یہی وجہ ہے کہ انسان اگر رات بھر نفلیں پڑھے اور دن بھر ذکر و تلاوت میں مصروف رہے تو ان لوگوں پر اور ان کے کاز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نہ اُن کی روٹی بند ہوتی ہے، نہ ان کی تنخواہیں کٹتی ہیں اور نہ ان کے نظام میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ لیکن جونہی انسان اس پرائیوٹ مصنوعی حد سے نکل کر میدان معاملات میں اترتا ہے

ے

تو یہ لوگ فوراً قانون کے دفتر او شکوک وشبہات کے پشتارے اور رکیک تاویلات کے ڈھیرے کو پہنچ جاتے ہیں تاکہ ایک سادہ لوح انسان اپنے ذہنی طرز فکر اور فکری طرز عمل پر جم نہ سکے اور اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائے۔ اس کا مضر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عبادات کو چھوڑ کر دین کے بقیہ تمام شعبے ان کے اختیار او تصرف میں آجائیں اور اسلام جیسا جامع دین اور مکمل دستور حیات جس کی بشارت انبیائے سابقین دیتے آرہے تھے ان حدثاء الاسنان سفہاء الاحلام (نوخیز نا تجربہ کار اور خام عقل لوگوں) کے ہاتھوں میں پڑ کر ناقص و ناتمام اور آدھا تہائی رہ جائے۔

دوسری مہلک صورت یہ پیدا ہوگی کہ جب لوگ اسلام کے تمام معاملاتی اور اجتماعی کاموں کو اپنی ناقص اور جز ئی عقلوں سے طے کرنے لگیں گے تو دین وحی الٰہی اور نقل صحیح کی حکومت سے نکل کر عامۃ الناس کی عقلوں کے زیر حکومت آجائے گا۔ حالانکہ دین وحی خداوندی اور مستند نقل صحیح کی بنیادوں پر قائم ہے، نہ کہ عقلی اختراعات اور اوہام وخیالات پر جس سے ان کے لئے دینی شعبوں میں کتر بیونت کی گنجائش پیدا ہو۔ دوسرے یہ کہ عقلوں میں تفاوت ایک مشاہد بات ہے۔ عوام ہوں یا خواص عقلیں سب کی ایک درجہ کی نہیں ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں ظاہر ہے کہ جب دین اور اس کے تمام معاملاتی پہلوؤں کی محور نہ یہی جزوی عقلیں ہونگی تو دین طرح طرح کے خیالات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا اور جتنی عقلیں ہونگی اتنے ہی مذہب تیار ہو جائیں گے جس سے نفس دین ہی سرے سے گم ہو کر رہ جائے گا۔ ساتھ ہی اسلامی دستور کی کوئی نوع اور نوع کا کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جس میں قانون کے ساتھ اخلاق کا رنگ گھلا ہُوا نہ ہو۔ حتیٰ کہ اجتماعی اور سیاسی احکام کے ساتھ بھی کتاب وسنت میں تقویٰ، طہارۃ، خشیۃ اللہ، رضاجوئی حق، اور یادگاری آخرت کا جوہر شامل ہے جس سے یہ تمام احکام ہمرنگ عبادت بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوری عقلیں (اور وہ بھی بے قید، بے فکر، بے ذوق، اور آزاد منش لوگوں کی) دین مرتب کریں گی تو اس میں فلسفیت تو کسی حد تک ضرور آجائے گی لیکن اخلاقیت کا کوئی شمہ شامل نہ رہ سکے گا اور اس طرح یہ نام نہاد دین سارا کا سارا اعلام دنیوی قوانین کی طرح ایک روکھا پھیکا اور رسمی قانون اور دنیوی دستور بن کر رہ جائے گا جس میں دیانت، قرب الٰہی، محبت خداوندی اور آخرت جس کے آثار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اسلام نے مذہب کا جو تصور دیا ہے وہ اس تصور سے یکسر مختلف اور اس کے منافی ہے۔ اسلام ہرگز اس کا قائل نہیں کہ بادشاہ کا حصہ بادشاہ کو دو اور پوپ کا حصہ پوپ کو، بلکہ اس نے بادشاہ اور پوپ کے سب حصے ختم کر کے صرف ایک ہی واحد قہار خدائے لم یزل کا حصہ دین و دنیا دونوں میں قائم کیا ہے۔ دنیا کا معاملہ ہو، یا آخرت کا ایک ہی ذات واحد کی طرف اپنی نیت اور عمل اور طرز فکر ونظر کا رُخ رکھنا اس نے سکھایا۔ اس کے نزدیک مذہب انسان کا کوئی نجی یا پرائیوٹ معاملہ نہیں ہے جس سے دنیوی زندگی کے معاملات خارج ہوں بلکہ عالم انسانیت کی صلاح وفلاح کا ایک کھلا دستور ہے، جس میں ولادت سے لیکر وفات تک کے تمام معاملات اور نشیب وفراز اس کی حدود میں داخل ہیں۔

قرآن حکیم کا کھلا اعلان ہے :-

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین، لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔

اس میں بعد نماز بقیہ تمام عبادات موت وحیات اور موت وحیاۃ کے درمیان ہر ایک نقل وحرکت کہا گیا۔

پینا، رہنا سہنا، ملنا جلنا، دوستی، دشمنی، قومی اور بین الاقوامی معاملات سب کو دین کا جزو بنا کر اسلام کہا گیا ہے، اور سب کے حقوق کے بارے میں چاہیے وہ انفرادی ہوں یا اہلی، پڑوس کے ہوں یا دوسری اقوام کے، بین الاقوامی ہوں یا بین الملّی جامع قوانین پیش کئے جن سے قرآن، کتب حدیث اور کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔

اس لئے مذہب اور بالخصوص اسلام کو آدمی کا کوئی بھی اور پرائیویٹ معاملہ کہنا پورے اسلام کا تار و پود بکھیر دینا ہے جسے اسلام کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نام نہاد مصلحین یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتے ہوں کہ ہندوستان کا قانون آدمی کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس میں جس کا جو جی چاہے تغیر و تبدیلی کر سکتا ہے تو دین اور خدا کے قانون کے بارہ میں انہیں یہ جرأت کیوں ہے۔

بہر حال پرسنل لا کی ان جزئیات کے بارے میں شکوک و شبہات کی تو الحمد للہ علماء نے قلعی کافی کھول دی ہے جو آپ حضرات کے سامنے آئے گی۔ مجھے تو اس موقعہ پر یہ عرض کرنا ہے کہ یہ جزئیاتی، یا جزوی ترمیم کے خواہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر درحقیقت ان جزئیات کے اصول کو اور ان کے واسطہ سے اسلام کے پورے نظام کو چیلنج کر رہے ہیں جن کے نیچے یہ ساری جزئیات آئی ہوئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی اس قسم کے جزوی منصوبوں کو لے کر کوئی دانا دشمن یا نادان دوست کھڑا ہوا تو علماء حق نے اس حقیقت کو بھانپ کر اس کا سامنا کیا اور کسی بھی سکوت و اغماض سے کام نہیں لیا۔

ہندوستان میں انگریزی اقتدار آنے پر حالات بدلے، ان کے مسائل ہی نہیں بلکہ نئے نئے الحادی نظریات اور لادینی کے نئے نئے جذبات دلوں میں ابھرنے شروع ہوئے اور چند دن کے بعد ایک مستقل گروہ ان کے انداز فکر و عمل کا تیار ہو گیا جس نے نہ صرف اسلامی انداز فکر و طرز معاشرت کو ترک کیا بلکہ رفتہ رفتہ اسلامی معتقدات کو بھی ہدفِ ملامت بنانا شروع کر دیا۔

لیکن حق تعالیٰ جزائے خیر دے اُمت کے علماء ربانی اور مشائخِ حقانی کو جنہوں نے اپنی فراستِ باطنی سے اندازہ لگا کر تحفظ دین کی داغ بیل ڈال دی۔

بالخصوص اسلامی مسائل میں عائلی قوانین اور مسلم پرسنل لا کو علماً و عملاً محفوظ کر دینے کا ایک حصار قائم کر دیا، جو آج تک قائم ہے۔ اس لئے مسلم پرسنل لا کا مسئلہ پندرہ بیس سال پرانا نہیں جیسا کہ بعض حضرات یہی خیال کئے ہوئے ہیں، اور اسے علماء کی خاموشی اور شکوے کے ساتھ ان کی بے توجہی کو پیش کرتے ہیں بلکہ یہ مسئلہ اور علماء کی طرف سے اس کے بارے میں اقدام و دفاع سو سال پرانا ہے۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا تو ان ورثاء انبیاء نے سب سے پہلے مسلم پرسنل لا ہی کے تحفظ کی فکر کی۔

۱۸۶۷ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ نے سب سے پہلے ان ہی عائلی قوانین کے اجراء کی فکر کی۔ ان مقدسین سے یہ تو بعید تھا کہ وہ اسلام کے عائلی قوانین کی برقراری، اور اجراء کے لئے انگریز سے التجا کرتے۔ اس لئے اسی ابتدائی دور میں حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم ہی میں غیر رسمی انداز سے عہدۂ قضا قائم کیا اور دارالعلوم کے اولین صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کو قاضی مقرر فرمایا جس کے تحت پرسنل لا کے عائلی مسائل اور الجھے ہوئے معاملات شرعی اصول پر طے ہونے لگے۔ انگریزوں کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئیں، مسلمان نامی لوگوں ہی کو اس سلسلے کے کرنے کے لئے آگے بڑھایا گیا۔ بالآخر تغیر احوال سے ان کے

دَور کے ساتھ اس نظام کا دَور بھی ختم ہو گیا لیکن مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جو داغ بیل ان بزرگوں نے ڈال دی تھی وہ طول کی زمین میں قائم ہو گئی گو اس کے خلاف کی داغ بیل بھی اسی وقت سے مسلم صورت افراد کی طرف سے پڑ چکی تھی، اس لئے مسلم پرسنل لا کے بارے میں مرض اور علاج دونوں ہی متوازی پرانے ہیں۔

انگریزوں کے اقتدار پر نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ہندوستانیوں میں سیاسی حقوق طلبی کا داعیہ پیدا ہوا۔ عامۃً سیاسی جماعتوں نے سیاسی مطالبات پیش کئے لیکن مذہبی مطالب کو نظر انداز کر دیا جس سے ان دینی حقوق اور بالفاظ دیگر پرسنل لا کے کالعدم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے ان بدلتے ہوئے حالات میں علمائے دیوبند نے اپنے اسلاف کے نقش قدم کو سامنے رکھ کر خود ہی مسئلہ پر میمورنڈم تیار کیا۔ جو اس دفعات پر مشتمل تھا۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خاص دارالعلوم دیوبند کی سربراہی میں ایک مؤقر وفد دہلی پہنچ کر وزیر ہند سے ملا۔ اور میمورنڈم پیش کیا جس میں صفائی سے پہلے ہی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں گورنمنٹ کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے جو شرعی قوانین سے متصادم ہو۔ وہ ہمارے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

اس میمورنڈم میں بنیادی مطالبے دو تھے، ایک یہ کہ ہندوستان میں پرسنل لا کے اجراء کے لئے محکمۂ قضا قائم کیا جائے۔ چونکہ شرعی اصول پر بہت سے مسائل کی تنفیذ کے لئے مسلم حاکم شرط ہے، اس لئے قاضیوں کا انتخاب تقرر اہل سنت والجماعت سے ہو لیکن اس کونسل میں ہر فرقہ کے علما نمائندے اور ممبر ہوں، اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقہ کے اپنے فقہی اصول پر ہو۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر مساجد، مدارس، مقابر، اوقاف، خانقاہوں، اور دوسرے دینی رفاہِ عام کے تحفظ و نگرانی اور نظم و نسق کے لئے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا جائے، جو ان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو۔

ان مطالبات پر اس دَور کے تقریبًا پانچ سو علماء کے توثیقی دستخط حاصل کئے گئے جو آج بھی دارالعلوم کے محافظ خانہ میں محفوظ ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا جو مسلم پرسنل لا ہی کا ایک اہم جزو تھا۔ گورنمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے استفساری سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے۔ اس کا یہ استفساری مراسلہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سابق دارالعلوم دیوبند کے نام موصول ہوا جس کا ایک اصولی جواب انہوں نے روانہ کر دیا۔

فروری ۱۹۳۰ء میں جبکہ مجھے دارالعلوم کا اہتمام تفویض کیا جا چکا تھا حضرت ممدوح کے وصال کے بعد اس مراسلت کا سلسلہ مجھ سے قائم ہوا۔ اور تا اختتام کار راقم ہی سے جاری رہا اس پر وقف کے مسائل کی تفصیلات مرتب کرائی گئیں۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی قیادت میں سرکاری مسودۂ وقف کے بل پر تنقید کے ساتھ پیش کردہ اشکالات کا تحریری حل پیش کر دیا گیا اور ساتھ ہی احقر ناکارہ نے ایک تحریر خود بھی بنام "الانصاف فی قانون الاوقاف" پوری جماعت کی طرف سے مرتب کی، جس پر تمام اکابر علماء کے دستخط ثبت ہوئے۔ احقر ہی نے اس پر مقدمہ لکھا اور یہ ساری کارروائی ایک کتابچہ کی صورت میں طبع کرا کر شائع کی گئی۔ اور ممبران اسمبلی کے نام بھی ارسال کی گئی اور اس سلسلہ میں مناسب وقت تمام مساعی عمل میں لائی گئیں، جس کی مکمل کارروائی ایک مطبوعہ کتابچہ کی صورت میں محافظ خانہ دارالعلوم میں محفوظ ہے۔

پھر برطانوی حکومت ہی کے زمانہ میں شاردا ایکٹ کا مسئلہ اٹھا جو پرسنل لا کا ایک مستقل جزو تھا۔ علماء دیوبند نے اس

پر مضامین لکھے اور حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ نے ایک مستقل رسالہ شارداایکٹ کے بنیادی محرکات اور عمر نکاح کے شرعی قانون میں ترمیم کئے جانے کی تردید کے ساتھ اس پر پیش کردہ شکوک کا حل پیش کیا۔ اور اس پر مناسب وقت جدوجہد کی گئی۔ پھر برطانیہ ہی کے دور میں ان ہی عائلی مسائل کو شرعی قوانین کے مطابق طے کرنے کے لئے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہار میں امارتِ شرعیہ قائم فرمائی جو آج تک الحمدللہ قائم ہے اور آج اس کے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی ہیں جو آپ کے سامنے موجود ہیں۔ یہ امارت مسلم پرسنل لا کی عملی صورت ہے جو ترمیم و تبدیلی کے اوہام و خیالات کا عملی جواب بنی ہوئی ہے۔

پھر انقلاب ۱۹۴۷ء سے کچھ قبل علماءِ دیوبند کی طرف سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ شائع کرایا جس میں ظالم خاوندوں سے بیکس و بے بس عورتوں کی گلوخلاصی کی شرعی صورتیں یکجا جمع فرمائیں، اور اسی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند میں علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے ان ہی شرعی اصولوں کی روشنی میں فیصلے کر کے سینکڑوں عورتوں کو رہائی دلائی اور ان کی مشکلات کا قرار واقعی حل کیا۔

پھر ۱۹۴۷ء کے انقلاب و تقسیم ملک کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تنسیخ زمینداری کا مسئلہ اٹھا جس کا اثر اوقاف کی زمینوں پر بھی پڑتا تھا جو پرسنل لا ہی کا بنیادی جز تھا اس بارے میں ایک وفد جس میں یہ ناکارہ بھی شامل تھا دہلی میں مولانا آزاد مرحوم کی خدمت میں پیش ہوا اور گفت و شنید کی۔ پھر مولانا ہی کی ہدایت پر دوبارہ یہی وفد لکھنؤ جاکر پنڈت پنتھ وزیر اعلیٰ یوپی سے ملا اور بموجودگی دیگر وزراء یوپی کونسل اور چیرمین اوقاف کے مسئلہ میں بحث و تمحیص کی۔

غرض علماءِ حق نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اس عائلی قوانین کے مشترک منصوبہ کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے بڑی قوت سے چیلنج کیا۔ مضامین اور مقالات شائع کئے اور آخرکار پرسنل لا کے تمام مسائل پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک مبسوط رسالہ بنام "ہمارے عائلی مسائل" شائع کیا جس میں ان تمام پیش پا افتادہ موانع کو جن کی آڑ میں ترمیم قانون کی صدائیں بلند کی گئی تھیں معقول اور منقول انداز سے رد کر کے ان کا شرعی حل پیش فرما دیا۔

ان چند مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عائلی مسائل اور پرسنل لا کے مرض نے جو روپ بھی اختیار کیا علماءِ امت نے اس کا معالجہ اور اصلاح میں قلمے سخنے، درمے، قدمے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

آج پرسنل لا پر وہی وقت پھر گزر رہا ہے جو سو برس میں بارہا گزرا اور وہی علماء اس سلسلہ میں پھر کھڑے ہوئے ہیں، جو پہلے سے مدافعت کرتے چلے آرہے ہیں۔ نیز آج بھی وہی مسلم کہلانے والے چند لوگ اس کی ترمیم و تبدیلی کے نعرے لئے ہوئے کھڑے ہیں جن کا بڑا روگ ایک ہی تھا اور وہ شرعی مسائل کو لادینی فکر، یا معاشی، یا سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا اور سوچنا اور اسی خاکہ پر قانونِ شرعی کو ڈھالنے کی سعی کرنا، درحالانکہ وہ ان مسائل اور ان کی حقیقی بنیادوں سے نہ قطعاً واقف ہیں اور نہ ہی ان کے سمجھنے کے ذوق سے آشنا ہیں۔

پرسنل لا کا علمی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں پیش کردہ شبہات کی جواب دہی کے لئے حضرات اساتذہ و ارباب افتاء دارالعلوم دیوبند کی ایک کمیٹی بنام پرسنل لا کمیٹی بنا دی گئی کہ وہ ان مسائل کے بارے میں آج کے شکوک و شبہات کا مواد فراہم کرے مدلل دفاع کا فریضہ انجام دے۔ چنانچہ کمیٹی نے اپنا کام خاطر خواہ طریق پر مکمل

مکمل کر کے پیش کر دیا۔ کمیٹی کے سامنے چند بنیادی اُمور رہے جن کو بطور اصول موضوعہ احقر نے لکھ کر بھیج دیا تھا۔

کمیٹی نے انہی اصولوں کی روشنی میں کام کیا اور امکانی حد تک پرسنل لا کے زیر بحث مسائل کی جمع و ترتیب کے ساتھ زبان زد اشکالات و موانع اور ان کے شرعی جوابات کا مواد فراہم کر کے اُسے مرتب کر دیا۔

حیرتناک بات یہ ہے کہ ان مسائل کے خلاف جس شور و شوری سے مشکلات کا ڈھول پیٹا جا رہا تھا اور اُن میں سے کوئی ایک مشکل بھی کمیٹی کے سامنے ایسی نہیں آئی کہ اُسے عام معمول بہ پہلو کے خلاف کسی دوسرے غیر معمول پہلو کی ترجیح و انتخاب سے کام لینا پڑا ہو کیونکہ عموماً پیش کردہ مشکلات کچھ تو از قسم حیلہ جوئی ہیں کہ اپنی سہل انگاری اور کم ہمتی کی وجہ سے لوگوں نے عمل تو خود نہیں کیا اور خود ساختہ مشکلات کا الزام شریعت کے سر تھوپ دیا۔ ظاہر ہے کہ ان مشکلات کو تقاضائے نفس تو کہا جا سکتا ہے لیکن تقاضائے فطرت یا مقتضائے حق کہنا بہت مشکل ہے۔

بعض مشکلات رسمی اور رواجی قسم کی ہیں جو رسم و رواج کی کورانہ پابندیوں، ماحول کی خرابیوں اور غیر طبعی جکڑ بندیوں سے پیدا شدہ ہیں۔ مگر جب کہ شریعت کا موضوع ہی جاہلانہ رسوم و رواج کو مٹا کر اسوہ ہائے نبوت پہ دنیا کو لگانا ہے تو شریعت کو تو حق ہے کہ ان رسوم اور ان کے ماحول میں ترمیم و تغیر کرے لیکن رسوم و رواج کو قطعاً حق نہیں ہے کہ وہ شریعت میں ترمیم کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔

بعض مشکلات خیالی اور وہمی قسم کی ہیں کہ ایک طبقہ کو مظلوم اور محروم فرض کر کے شریعت کے دئیے ہوئے حق سے اُسے زائد حق دلوائے جانے کا شور مچایا گیا ہے درحالیکہ اُسے مقررہ حق سے زائد حق دئیے جانے میں کتنے ہی دوسرے اہل حقوق کی حق تلفیاں مضمر ہیں۔

تنگ نظروں کے سامنے زبان زد طریق پہ حقوق کی کمی کا پہلو تو آ گیا مگر لاعلمی کی وجہ سے تلافی کا پہلو نہ آیا۔ درحالیکہ شریعت نے ہر انسانی طبقہ کو اس کی خلقی اور فطری اور ساتھ ہی عقلی اور شعوری خصوصیات ہی کی قدر حقوق و اختیارات و فرائض عطا کئے ہیں جو کمال عدل و اعتدال پر مبنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ معتدل اور جامع احکام سے روگردانی اور تجاوز ہی کا نام افراط و تفریط اور ظلم ہے، جسے مٹانے کے لئے یہ فطری شریعت بھیجی گئی ہے۔

بہرحال پرسنل لا کے مسائل کے سلسلے میں جس قدر بھی زبان زد مشکلات کمیٹی کے سامنے آئیں ان میں کوئی بھی شکل اصولی رنگ لئے ہوئے نہیں تھی اور اگر اصولی رنگ بھر کر کسی چیز کو اصولی کیا بھی گیا ہے تو وہ فرضی اور خود ساختہ اصولی تھی۔ غرض نہ کوئی جزوی شکل سامنے آئی نہ اُصولی بلکہ محض ناتربیت یافتہ دماغوں کی اُپج، لاعلموں کی خیالی مشکلات، بے عملوں کی حیلہ جوئی اور اسیرانِ رسوم و رواج کی پہلو تہی اور یا پھر دانا دشمنوں کی خوردہ گیریاں تھیں جن کی وجہ سے قانونی توسعات تلاش کرنے کی کمیٹی کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مسلم پرسنل لا میں دو ہی قسم کے مسائل ہیں یا کتاب و سنت میں منصوص ہیں یا کتاب و سنت سے ماخوذ۔

منصوص مسائل میں تو کسی ترمیم و تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ کتاب و سنت کا کوئی بدل ممکن ہو۔ رہے اجتہادی مسائل تو اجتہاد کا بدل اجتہاد ہی ہو سکتا ہے بشرطیکہ اصل اجتہاد پر عمل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ لیکن اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو اجتہادی مسائل میں بھی انتخاب و ترجیح کا سوال پیدا

نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ رد و بدل یا ترمیم و تنسیخ کا سوال پیدا ہو۔
کمیٹی کے سامنے اس قسم کا سوال ہی نہ تھا اور نہ ہی مسائل
کے خلاف کوئی علمی یا عقلی مشکل اور رکاوٹ ہی سامنے آئی تو ایسے
مسائل میں تبادل یا ترجیح و انتخاب کی گنجائشیں تلاش کرنے کی
ضرورت ہی کیا پیش آتی۔

اس کنونشن کا بنیادی مقصد پرسنل لا کا تحفظ اور
فتنۂ ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے اہل علم
وفضل اور دانشوروں کو یہ اعلان کرنا ہے کہ مسلمانان ہند بہمہ
مکاتیب فکر اپنے پرسنل لا سے نہ کسی حالت میں دستبردار ہو سکتے
ہیں، نہ اس میں کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی گوارا کر سکتے ہیں۔ اور
نہ ہی کسی ایسے مشترک قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، جو
پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو۔ خواہ وہ سول
کوڈ ہو یا بالواسطہ قانون سازی۔

بالفاظ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات
اور امتیازات کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جن پر اُن کے
ملی وجود کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور ان کا ممتاز شرعی
اور قومی امتیاز قائم ہے۔

رہے وقت کے تقاضے تو اسلام کے جامع اور
معتدل احکام میں وقت کے کونسے تقاضے ہیں جو پورے
نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکتے۔ نزول وحی کے بعد سے اب
تک چودہ قرون میں وہ کونسی ایسی مشکل اور کونسا ایسا حادثہ
ہے جس کے پیش آنے پر قرآن و حدیث اور اس سے مستنبط
شدہ علوم نے قرار واقعی رہنمائی نہیں کی اور فتنوں کا
استیصال نہیں کیا۔ لیکن جہاں شک اندازوں کو دین یا دین
کی تاریخ کی خبر ہی نہ ہو اور وہ دین سمجھنے سمجھانے کے راستہ
ہی نہ چلیں بلکہ اسی دینی لاعلمی اور بے بصیرتی پر قناعت
کرکے اُس ہی کو علم سمجھتے رہیں درحالیکہ وہ جہل مرکب ہے،
علاج ہی کیا ہو سکتا ہے، پھر جو شبہات وہ اُٹھا رہے ہیں،
وہ آج کے حوادث بھی نہیں اور کچھ نئے بھی نہیں ہیں جو پیش
نہ آ چکے ہوں، صرف رُوپ کا فرق ہے۔

ع وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے

چنانچہ شک انداز اگر کسی اصلی روپ میں بھی سامنے آئے، تو
انہیں ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام
میں یہود و نصاریٰ حجت و برہان سے سامنے آئے مگر اسلامی حجتوں
کے سامنے عاجز ہو کر پسپا ہوئے۔ اُس سے کام نہ چلا تو اسلام کے
خلاف جنگیں لڑیں، سازشیں کیں، بالآخر شکوک و شبہات پیدا
کرکے مسلمانوں کو ڈگانا چاہا مگر ناکام ہوئے، بالآخر انہوں نے
نفاق کے راستے سے حملہ آوری کا میدان ہموار کیا۔ اور مسلمانوں
میں ایسے گروہ کھڑے کر دئے جنہوں نے اسلام ہی کے نام پر اسلام
کے خلاف شور و شر مچایا اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کی۔ یہی
روش آج بھی اختیار کی گئی ہے اور مسلم نامی افراد کی طرف سے
شک اندازی کر کے مسلمانوں کو ورغلانے کی سعی کی جا رہی ہے،
لیکن اسلام کے فطری اصول کی کسوٹی پر پرکھ کر علماء اسلام نے
جیسے ہر زمانہ میں اس قسم کے دو رُخے لوگوں کے حربوں کو ناکام بنایا
ہے، اسی طرح آج بھی وہ اسی قسم کے منافقانہ حملوں کی زد سے اسلام
کو محفوظ رکھ کر اُن کے حربوں کو ناکام بنانے کی قدرت رکھتے ہیں،
اور ان شاء اللہ یہ سب حربے ضرور ناکام ہوں گے۔

یہ صحیح ہے کہ آج اس فطری قانون الٰہی کے خلاف
بے بصیرتی سے شکوک و شبہات سے میدان ہموار کر کے انہیں
ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل باور کرانے کی کوششیں کی جا رہی
ہیں، لیکن کسی بھی صحیح فکر و خیال یا نظریہ و عقیدہ کی راہ میں پیش
آمدہ دشواریوں، ماحول کی ناسازگاریوں یا اس کے دلائل و
براہین سے لاعلمی و بے بصیرتی کسی درجہ میں بھی اس سے دستبرداری
کے لئے وجہ جواز یا معقول بنیاد قرار نہیں پا سکتی۔

پرسنل لا کے بارے میں سرکاری طور پر گو یہ بھی اعلان ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مرضی کے بغیر کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوگی لیکن ساتھ ہی بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ تبنیت اور سرکاری ملازمین کے لئے نکاح ثانی کے حق پر پابندی نے جو پرسنل لا میں عملی ترمیم کا آغاز ہے پرسنل لا کے بارے میں مسلمانوں کی تشویش کو حق بجانب بنا دیا ہے۔ اس لئے وہ متفقہ آواز اٹھانے پر مجبور ہوئے اور جس کی گونج انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گی۔

شک اندازوں کے مضمرات اور دلوں کے چور کو سمجھنے کے لئے یہ پیش نظر رکھ لینا کافی ہے کہ مذہب اور دین کے بارے میں ارباب سیاست کا وضع کردہ مذہبی تصور یہ ہے کہ مذہب انسان کا ایک نجی اور پرائیویٹ معاملہ ہے۔ یہ تصور درحقیقت انہوں نے محض اپنے سیاسی مقاصد کو مذہب کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے وضع کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی مذہب ایسا ہی پرائیوٹ ہو لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے میں تفصیل سے اوراق سابقہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا تصور اس تصور سے یکسر مختلف ہے وہ اپنے دائرۂ حکم و تربیت سے کسی گوشۂ حیات کو باہر تسلیم نہیں کرتا اور یہی اسلام کے کامل اور مکمل مذہب اور دستور حیات ہونے کی بڑی دلیل ہے جس کا نعرہ قرآن نے

ونزلنا علیك الکتب تبیانا لکل شیئ و ھدی ورحمة وبشری للمسلمین۔ کے

پاکیزہ کلمات سے لگایا ہے اور جس کی اصولی وضاحت سطور سابقہ میں آپ کے سامنے آچکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے دائرۂ حکم و تربیت سے کسی گوشۂ زندگی کا مستثنیٰ نہ ہونا ہی غرض مند سیاست کی راہ میں سنگ گراں بن رہا ہے اور اسلام ہی یہ سنگ گراں بن بھی سکتا ہے لیکن اس پر یقین و اطمینان کیا جائے کہ اس کے برخلاف یہ دماغی گھمبیر کے افکار و نظریات اور فلسفہ و سیاست کے شاطرانہ حربے نہ کبھی کامیاب ہوئے ہیں نہ آج ہوں گے۔

چونکہ اسلام اپنے احکام کی نقل و عقل معقولیت و منقولیت مادیت و روحانیت انفرادیت و اجتماعیت عبادت و معاشرت رابطۂ انسانی اور علائق ربانی کا وہ حسین امتزاج ہے جو عقل انسانی کو صحت سند روایت کے ساتھ ساتھ حجت و برہان اور درایت سے مطمئن کر کے دعوت قبول دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کا تعلق اسلام سے پہلے فطری ہے پھر جذباتی جبکہ بالعموم روایاتی خوش عقیدگی کی بنیادوں پر قائم شدہ مذاہب سے ان کے پیروؤں کا تعلق اول و آخر جذباتی ہے۔ اس لئے جب انہیں جذبات سے الگ کر کے خالص عقل و نقل کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے تو وہ پورے پورے نہیں اترتے اس لئے ان میں بے تکلف ترمیم و تنسیخ اور رد و بدل کا عمل جاری ہو جاتا ہے اور ہو رہا ہے۔ مگر ناخواندہ یا بزعم خود خواندہ مگر ناخواندہ لوگ اسلام کو بھی اسی پر قیاس کر کے ترمیم و تنسیخ کے تصورات باندھنے اور اس کے نعرے لگانے کھڑے ہو گئے لیکن حجت و برہان کا مرتب نظام جس سے وہ یکسر بے خبر ہیں اس قسم کے تصورات کو بیک جنبش ابرو کوڑے کچرے کی طرح نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔

آج اگر شدید ضرورت ہے تو مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کی ہے کہ وہ اسلام کے قانون کو سمجھیں اور خلوص نیت کے ساتھ اسے استعمال میں لائیں اور اسی کے ساتھ ایک ایسی راہ عمل ہموار کر دینے کی ہے جس پر پرسنل لا خود اپنی ہی معنوی قوت سے تعمیری انداز میں چلے اور آگے بڑھے جس کا عملاً چلتے رہنا ہی اس قسم کے فتن اور وسوسہ اندازیوں کا سد باب اور عملی جواب ہے۔

اس عظیم اجتماع سے جس میں ہر مکتب کے فضلائ جمع ہیں یہ توقع بجا طور پر قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ پرسنل لا کو عملاً جاری کر دینے کے سلسلے کوئی راہ عمل متعین کر کے اس کی داغ بیل ڈال دے۔ آخر کلام میں میں اس گذارش پر

اس طولانی دفتر کو ختم کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کا اعلان اس بارے میں جیسا کچھ بھی ہو بہر حال اعلان ہے کہ پرسنل لا میں اس وقت تک تبدیلی نہیں ہو سکتی جب تک کہ مسلمان خود ہی اس کی خواہش نہ کریں۔ اس نام پر تمام مکاتب فکر کے ذمہ دار نمائندے متفقہ طریقے پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم پرسنل لا سے کسی حالت میں بھی دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ہم اس کی ترمیم و تبدیلی کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ اور ہم کسی ایسے مشترک قانون کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو' بلکہ اسی کے ساتھ اگر ہم یہ بھی کہیں کہ پرسنل لا کے سلسلہ میں تبنیت اور ملازمین سرکار پر تعدد ازدواج کے بارے میں جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی حد تک اٹھالی جائیں تو گورنمنٹ کے اس اعلان کی صداقت غیر مشتبہ ہو جائے گی۔ وہ شبہات باقی نہ رہیں گے جو اس اعلان کے بعد اس قسم کی جزئیات سے پیدا ہو گئے ہیں۔ پرسنل لا کے فطری حقوق کے ساتھ اس کے عملی نظام کا کوئی خاکہ بھی اس تاریخی اجتماع کی طرف سے آ جائے جس پر پرسنل لا اپنے پیروں پر چل پڑے اور چلتا رہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس تاریخی اجتماع کا ایک عظیم کارنامہ ہو گا جس کو آج کی اور مستقبل کی نسلیں کبھی فراموش نہیں کر سکیں گی۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا طبقہ شریعت اور شرعی قوانین کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے اور وہ اپنا دنیوی اور اخروی انجام خود سوچ لے' قانون شریعت یا علماء اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔

میں آخر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے بمبئی کے مخلص درد مند اور باحمیت مسلمانوں کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اپنی روایتی حوصلہ مندیوں اور فراخدلانہ جذبات سے پرسنل لا کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بمبئی میں اس کنونشن کے انعقاد کا ذمہ لیا اور اسے عملاً کر کے دکھلا دیا جس کی بدولت یہ مختلف رنگ کے پھولوں کا گلدستہ اس تاریخی اجتماع کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ پھر مختلف مکاتب فکر کے اہل علم وفضل اور بزرگوں اور اطراف ملک سے آئے ہوئے دانشوروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بمبئی کی استقبالیہ کمیٹی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس عظیم اجتماع کو کامیاب اور اس کے کاز کو مضبوط اور مستحکم بنایا۔ فجزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دین اسلام میں مداخلت ہے۔

۲۔ یکساں سیول کوڈ، اس کے ماتحت کوئی قانون یا رواج جس کا مقصد رفتہ رفتہ مسلم پرسنل لا کا خاتمہ، مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

۳۔ مسلم پرسنل لا کے شایان شان کوئی ایسا تعمیری منصوبہ بنایا جائے جس کے ذریعہ نہ صرف مسلم پرسنل لا کے غلط استعمال کا خاتمہ ہو سکے بلکہ اس کی افادیت و اہمیت اپنوں کے علاوہ غیروں پر بھی واضح ہو جائے اور اسطرح مسلم پرسنل لا ایک صالح معاشرتی زندگی کی رہنما طاقت بن جائے —— لہٰذا مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں جو سوالات اٹھائے جا رہے ہیں ان پر غور و فکر کر کے ان کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں کا ایک نمائندہ عظیم کنونشن بلایا جائے جس میں مسلم ملت کے تمام اعضاء و جوارح تعد لیس، مختلف مکاتب فکر کے علماء، دانشور اور ماہرین قانون اپنی متحدہ ملی حیثیت کے ساتھ یکجا ہوں اور ملت اسلامیہ ہند کے لئے وقت کے سب سے اہم اور نازک مسئلہ پر متحد اور منظم طور پر غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ یہ خیال جب ہم اہالیان بمبئی کے سامنے آیا تو ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کے مصداق ہم جیسے بے بضاعت لوگوں نے بھی اس پر لبیک کہا اور یہ ذمہ داری قبول کر لی اور اسطرح اس تاریخ ساز اور نمائندہ کنونشن کی بنیاد پڑی جس میں آج ہم سب یہاں جمع ہیں۔

اب میں آپ کے علم میں کچھ باتیں وہ عرض کروں گا جن کا تعلق کنونشن کے انتظامی معاملات اور اس کے انعقاد کی تدابیر سے ہے۔ جیسے ہی کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ ہوا اس مقصد کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی جو آگے چل کر ایک باقاعدہ مجلس استقبالیہ میں تبدیل ہو گئی اور اس کی صدارت ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند کے مصداق اس ناچیز کے ذمہ کر دی گئی۔ اس کام کی تفصیلات کا پہلے سے کوئی بھی اندازہ نہیں تھا صرف خدا کے بھروسے پر میں نے اور میرے ساتھیوں نے عزم سفر کر لیا اور پھر —— ہمسفر ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا —— مختلف صلاحیتوں اور قابلیتوں کے لوگوں نے ہمارے معمولی سے اشارہ پر اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کسی پکارنے والے اور حکم دینے والے کا انتظار تھا۔ استقبالیہ کے تشکیل پاتے ہی ہم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کنونشن کے نمائندہ مزاج اور کردار کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد ایک ہی پلیٹ فارم پر

مسلم پرسنل لا سے کیا مراد ہے؟

از
عبید اللہ کوٹی، ندوی

مسلم پرسنل لا جسے مسلم عائلی قوانین کا نام بھی دیا جاتا ہے اس سے مراد نکاح، طلاق، ازدواجی زندگی (FAMILY LIFE) کے مسائل، وراثت، وصیت اور وقف کے بارے میں وہ قوانین ہیں، جنہیں محمڈن لا (Mohamedan law) کے نام سے حکومت کی تمام عدالتیں نافذ کرتی ہیں۔ یہ حکومت کے مرتب کردہ یا کسی عدالت کی تجویز کردہ نہیں، ایسا بھی نہیں کہ یہ قوانین انگریزوں نے بنائے تھے۔ اس سے مراد درحقیقت شریعت اسلامیہ کے وہ قوانین ہیں، جو اسلام میں قابل تسلیم اور مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں نے مسلم پرسنل لا کی قانونی تفصیلات جاننے کیلئے اہلسنت والجماعت کے لئے ہدایہ اور شیعہ صاحبان کیلئے شرائع الاسلام کو پرسنل لا کے مستند قانونی مجموعہ کی حیثیت سے قبول کر لیا، اور انگریزی میں ان کا ترجمہ کروایا، اس طرح بعد کے مختلف مصنفوں نے اس سلسلہ کے عدالتی فیصلوں یا قانونی تشریحات کو مختصر یا شرح و تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں مرتب کیا ہے۔ یہ تمام لوگ قانون ساز نہیں، قانون گو ہیں۔ یہ قانون مسلمانوں کا یا ان میں سے کسی طبقہ یا فرقہ کا بنایا ہوا نہیں ہے مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق یہ خدائی قانون ہے۔ جس طرح انسانوں کی فلاح و بہبود کیلئے دنیا میں ہر چیز اور ہر ضرورت کا سامان خدا نے فراہم کیا ہے اسی طرح انسانی زندگی کے قانونی ہدایات بھی خدا ہی نے

جمع ہوسکیں۔ ہم چن چن کر ہم ایسے افراد کے پاس گئے جن کی طبیعتوں
میں بُعد المشرقین تھا۔ لیکن الحمدللہ ہر ایک نے اس آواز پر لبیک
کہا اور کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھا کہ کیا کہہ
رہا ہے۔ اس طرح بہت جلد مجلس استقبالیہ مسلمانوں کے مختلف
مسالک، مکاتبِ فکر، پارٹیوں اور جماعتوں کا نمائندہ ادارہ بن
گیا اور اسی وجہ سے اس کے اندر ایک طاقت سی آگئی۔ بمبئی جیسے
عظیم شہر میں ایک عظیم اجتماع کے معنی ـــــ غیر معمولی خرچ کے
تھے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے بندوں سے مدد فرمائی کہ
ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

ہمیں بہتری ضرورتوں اور انتظامی امور کے لئے افراد
درکار تھے۔ یہاں بھی ہمارا تجربہ امید افزا رہا۔ مختلف صلاحیتوں
کے افراد آگے بڑھے، انہوں نے کچھ اس طرح ہمارا ہاتھ بٹایا کہ ہزار مشکلات
کے باوجود ہماری راہ آسان ہوگئی۔ حضرات! یہ وہ تجربات
ہیں کہ جو ایک ایسی امت کے افراد کے درمیان ہوئے ہیں جسے مدتِ
دراز سے مسلسل گرایا جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آج کے بعد سے ہم اپنے
مسلمان بھائیوں کو ایک دوسری ہی نظر سے دیکھیں گے۔ ہم اپنے افرادِ
ملت کے بارے میں بدگمانی کے سلسلے کو ختم کر دیں گے۔ ہم عامۃ المسلمین
کو بے جا تنقیدوں کا نشانہ نہیں بنائیں گے اور انہیں مایوسی و
حرمان نصیبی پیدا کرنے والے خیالات کے بجائے امید اور اعتماد پیدا
کرنے والی خبریں سُنائیں گے۔

اس موقع پر میں ان مندوب حضرات کا بھی ذکر کرونگا
جنہوں نے ہماری دعوت پر فوراً لبیک کہا اور اپنا ہاتھ ہمارے
ہاتھ میں دے دیا۔ ان میں ایسے اصحاب بھی ہیں جو انتہائی
ضعیف العمر، ناتوان اور بیمار ہیں۔ پھر بھی انہوں نے اس سفر کا
قصد فرمایا۔ اور اس اہم موقع کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اس طرح
آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کن جذبات و احساسات اور آرزوؤں
اور تمناؤں کے ساتھ یہ کونشن ہو رہا ہے۔ میں آپ سے بھی
درخواست کروں گا کہ آپ اپنے جملہ امور میں سنجیدگی، متانت،
خلوص اور مقصد کی عظمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے،
اور اس نازک دور میں ملتِ اسلامیہ ہند کی صحیح رہنمائی کریں گے۔

آخر میں آپ سے یہ بھی عرض کروں گا کہ بمبئی اگرچہ بڑا
شہر ہے لیکن ساتھ ہی بڑا تنگ دامن بھی ہے۔ جائے رہائش
کی دقتوں کے سبب ہم اپنے ان ہزاروں بھائیوں کا انتظار
کرنے کے قابل نہ ہوسکے جو آج بھی ہندوستان کے دور دراز
شہروں میں اس اجتماع میں شرکت کے لئے بے چین ہونگے۔

مجلس استقبالیہ کی طرف سے جو اعلانات، بیانات
اور لٹریچر شائع ہوگا انشاءاللہ وہ ان کے لئے مسئلہ کی پوری
پوری وضاحت کے لئے کافی ہوگا۔ بہرحال ان تمام باتوں کے
باوجود میں یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہم سے بھی کوتاہیاں
ہوئی ہیں جو تقاضائے بشریت ہیں۔ اگر ہم گفتگوئیں، اور
بحثیں کم کرتے تو شاید اس کام کو اور زیادہ خوش اسلوبی سے
انجام دے سکتے۔ پھر بھی جو کچھ ہم سے ہوا وہ ہم نے کیا۔

ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر میں اپنے رفیقِ کار
مجلس استقبالیہ کے جنرل سکریٹری جناب عبدالستار یوسف شیخ اور
جناب محمد علی مٹھا نائب صدر انجمن خیر الاسلام اور خازن مجلس استقبالیہ
نے عملی تعاون میرے ساتھ کیا ہے اس کا تذکرہ نہ کروں، اسی طرح
میرے دیگر ساتھی جناب سید ابو محمد زیدی، مولانا ضیاء الدین بخاری،
جناب شمس پیرزادہ، مولانا ظل الرحمٰن صدیقی، مولانا مختار احمد
ندوی اور پروفیسر ڈاکٹر فقیر محمد کلے بھی قابلِ ذکر ہیں جنہوں
نے ہر مرتبہ میری آواز پر لبیک کہا اور اگر میں کہیں کمزور پڑا تو
مجھے سہارا دیا۔ اللہ رب العزۃ کی بارگاہ میں دست بدعا
ہوں کہ وہ ہماری ان کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور
انہیں بار آور کرے اور ملت اور وطن دونوں کیلئے موجبِ خیر و
برکت ثابت ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

بالواسطہ قانون سازی

شریعتِ اسلامیہ پر ضرب کاری

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا پریس نوٹ

بمبئی میں قائم شدہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے کنوینرز جناب محمد یوسف پٹیل اور جناب عبدالستار یوسف شیخ نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ مسلم پرسنل لا کنونشن کی کامیابی سے حکومت کے اعلیٰ حلقوں میں ایک بے چینی پیدا ہو گئی ہے جس کا اظہار نائب وزیر مملکت شفیع قریشی صاحب کے بیان سے ہوتا ہے جس میں موصوف نے فرمایا ہے کہ مسلم پرسنل لا مسلم قوم کا نجی معاملہ ہے اور کسی پہلو سے بھی حکومت کی پالیسیوں سے متصادم نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ موجودہ مسلم پرسنل لا میں کوئی بھی تبدیلی مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس معاملہ میں حکومت کو گھسیٹنا ٹھیک نہیں۔

کنوینر نے کہا کہ یہ بیان اس اعتبار سے بڑا خوش آئند ہے کہ اس میں متعلقہ جذبات کی اہمیت کو محسوس کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ وزیر موصوف نے ان خیالات کا اظہار بے شعوری کی حالت میں کیا ہے۔ اس لئے کہ ایک وجہ سے یہ بات مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور افراد کی طرف سے مسلسل پیش کی جا رہی ہے کہ ۱۹۷۲ء کا تبنیت بل (Adoption of Children Act 1972) جو خود حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا ہے مسلمانوں کے شرعی قوانین میں بالواسطہ مداخلت ہے۔

کنوینر صاحبان نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس بل کا مقصود یہ ہے کہ ۱۹۵۶ء میں جو احکام ہندوؤں میں نے بالک لڑکے کیلئے نافذ کئے گئے تھے اُن ہی کو بعینہٖ تمام مذاہب بشمول مسلمانوں پر نافذ کیا جائے اور متبنّیٰ کو وراثت میں وہ حصہ دلایا جائے جو قوانین شرعیہ میں صُلبی اولاد کو حاصل ہے۔ اس طرح وراثت کی جو حدود اسلامی شریعت میں ہیں انہیں توڑا جا رہا ہے۔ —— کنوینر نے ایک اور مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی معاملہ حکومت کی طرف سے پیش کئے جانے والے پبلک ٹرسٹ بل کا ہے جس میں صرف گردواروں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے لیکن مسلم اوقاف کے نظام میں دخل اندازی کی گئی ہے۔ اور اس طرح بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ احکام شرعیہ پر ضرب لگائی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دراصل حکومت کے اکثر سرکلر اور دوسرے متوازی قوانین کے ذریعہ یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا پرسنل لا بے اثر ہو کر محض رہ جائے۔

کنوینرز نے مرکزی نائب وزیر مسٹر ایچ۔ ایف۔ محسن کے حالیہ بیان کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ موصوف نے بھی کچھ عجیب سی بات کہی تھی، یعنی یہ کہ جب تک مسلمانوں کی طرف سے پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ نہ ہو مرکز اس قانون میں تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حکومت پرسنل لا میں ترمیم یا تبدیلی سے پہلے مسلمانوں کے ذہن کو ہموار کرے گی اور ایسی کوششوں کو بروئے کار لائے گی جن کے باعث پرسنل لا میں مداخلت کا موقع

حاصل ہوجائے۔ حالانکہ ایک عوامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دستور کے عطا کردہ بنیادی حقوق کا تحفظ اور کسی بھی ایسے اقدام سے گریز کرے، جو فرد اور سماج کے حقوق سلب کرنے والا ہو۔ انھوں نے کہا کہ نئے ہندوستان کی تعمیر اس طرح نہیں ہوسکتی کہ ایک طبقہ کو بے خبر رکھ کر اس کے حقوق پر دست درازی کی جائے۔

جاری کردہ :—

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

شریعت اسلامی

ایک زندہ قانون

۱۔ اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے جس کا نظام انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں پر حاوی ہے۔ نیز ہر دور اور ملک کے لئے یکساں طور پر فلاح کا ضامن ہے۔ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن کریم ہے اور نظام اسلامی کی واضح اور کامل تعبیر و تشریح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

جن جزوی اور وقتی مسائل کا ذکر قرآن و سنت میں نہیں کیا گیا ہے، وہ مسلمانوں کے اہل علم اور صاحب بصیرت و صاحب تقوی مجتہدین اور محققین نے قرآن اور سنت کے اصولوں کی روشنی میں حل کردئے ہیں، جن پر سب مسلمان متفق ہیں۔ اسطرح قوانین شرعیہ کا مدار کتاب و سنت کے احکام و فرامین پر ہے۔

۲۔ شریعت اسلامی ایک زندہ قانون ہے، جس میں حالات زمانہ انسانی فطرت اور اس کو پیش آنے والے حادثات کی رعایت رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی کسی زمانہ میں بھی جمود کا شکار نہیں ہوسکتی۔

۳۔ ہندوستان میں مغل حکومت کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور پھر برطانوی عہد حکومت میں ملک کی مختلف مذہبی اور سماجی اکائیوں کو شخصی معاملات میں اپنے مذہبی قوانین پر عمل پیرا رہنے کی آزادی ہمیشہ کی طرح حاصل رہی ہے، اور یہ بات بطور اصول تسلیم کرلی گئی کہ مسلمانوں کے معاشرتی امور میں شرع اسلامی کے قوانین جاری رہیں گے۔ اور ہندؤوں پر ان کے دھرم شاستر کے۔

۴۔ مسلم پرسنل لا کے تحت جو معاملات آتے ہیں اُن کا تعلق مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے مسائل، نکاح، طلاق وراثت اور اوقاف وغیرہ سے ہے اور ان کے بارے میں قانون شریعت نافذ ہے۔

اس حقیقت کی موجودگی میں قانون شریعت (مسلم پرسنل لا) کی بجائے مشترک سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش، یا بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی ملی انفرادیت اور معاشرتی حیثیت کو ختم کرنا ہوگا بلکہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت ہوگی اور آئین ہند میں دی گئی مذہب اور تہذیب کی آزادی پر حملہ ہوگا جسے ملت اسلامیہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتی۔

۵۔ بدقسمتی سے ملک میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بغیر سمجھے بوجھے نعوذ باللہ یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ شرع اسلامی اس دور کے لئے ناقابل عمل اور اس کے قوانین

ظالمانہ ہیں، اس طرح مشترک سول کوڈ کی صورت میں غیر اسلامی سماجی قوانین کے لئے میدان ہموار کیا جا رہا ہے، یا پھر گول مول اصطلاحات کا سہارا لے کر اصل احکام شرعیہ کو ختم کر دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں، یہ روش نہ صرف علماء بلکہ امت مسلمہ کے ہر فرد کے نزدیک قابل مذمت ہے۔

۶۔ شریعت اسلامی میں ایسے اصول اور کلیات موجود ہیں جن کی روشنی میں کسی بھی درجہ کے نقصان اور ہرج کا ہر وقت ازالہ کیا جا سکتا ہے شریعت اسلامی میں انسانی فطرت کو پیش آنے والے ہر حادثہ اور مستقبل جس سے اسے گزرنا ہے کی پوری پوری رعایت پہلے ہی سے موجود ہے۔ انہیں اصولوں پر علماء اسلام نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کے مختلف مسائل کو حل کیا ہے اور آج بھی انہیں اصولوں کے ذریعہ کسی بھی شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے مسئلہ کو ہر وقت حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ شریعت اسلامی کے اس مزاج اور کردار کو بدلنے کی کوشش کی گئی تو اسے ہرگز تسلیم نہ کیا جائے گا۔

۷۔ موجودہ حالات میں علماء اکرام و مسلم ماہرین قانون کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مجتمع ہو کر شریعت اسلامی کا اور ان اساسی اصولوں کا جن پر شریعت اسلامی مبنی ہے، نہ صرف دفاع کریں بلکہ مسلم معاشرہ کے اطراف پھیلی ہوئی منتشر اور پراگندہ خیال بنا کر معاشر[illegible] کی رہنمائی کریں، حاصل یہ کہ: —

(۱) مسلم پرسنل لا شریعت اسلامی کا حصہ ہے۔

(۲) مسلم پرسنل لا میں تبدیلی مسلمانوں کے نزدیک مداخلت فی الدین ہے۔

(۳) مسلم پرسنل لا (قوانین شرعیہ) ایک زندہ حقیقت ہے۔ جس پر اثر انداز ہونے والا قانون یا رواج مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو جو ہم صرف اسی کی خوشنودی اور رضا کے لئے کر رہے ہیں، قبولیت عطا فرمائے وما باللہ التوفیق وھو المستعان۔

ہمارے دو فیصلے

ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمارے اس فیصلہ کو ارادۂ الٰہی کے سوا کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری، یا بے چارگی پر مبنی نہیں، ہم نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی شعائر اور اپنی پوری مذہبی اور تہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے۔ ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔ یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنی خصوصیات، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں، اس ملک میں رہیں۔ اس لئے کہ اس طرح رہنے سے یہ وطن وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے۔ ہمارا خمیر ضرور اس ملک کی خاک سے تیار ہوا ہے۔ یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے۔ لیکن ہماری تہذیب براہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں بھی رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو اس کی تہذیب براہیمی ہو گی۔ ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک میں آزاد ہیں۔ اس کی تعمیر و ترقی میں شریک اور اس کی دستور سازی میں دخیل ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی، قانونی حق ہے اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے حامیوں کا نقطۂ نظر

مسلم پرسنل لا اور سیکولر ڈیموکریسی

نئی دہلی سے شائع ہونے والا "ماہنامہ سیکولر ڈیموکریسی" بابت جنوری ۷۳ء میں "مسلم پرسنل لا پر ہنگامہ آرائی" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس کے چند اقتباسات ذیل میں دئیے جا رہے ہیں۔ اس مضمون میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن منعقدہ بمبئی کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے مسلم قائدین و زعماء کو مطعون کیا گیا ہے اور حکومت وقت کو بالکل مخلص و معصوم قرار دیتے ہوئے علماء دین و زعمائے ملت پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ یہ لوگ محض مسلمانوں کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور عاجلانہ طور پر سٹھر لونگ مچا رہے ہیں، ورنہ حکومت کی نیت بالکل صاف ہے کیونکہ حکومت بار بار اس بات کی یقین دہانی کرا چکی ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں اکثریت کی مرضی کے خلاف مداخلت نہیں کریگی۔ مگر مضمون نگار نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ اس قسم کی یقین دہانیاں بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر حکومت نے مسلم یونیورسٹی کے بارے میں بھی کرائی تھیں؟ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ ایک دن پارلیمنٹ کے عام ضوابط کے بالکل برخلاف سیشن کے آخری دن بعجلت تمام ایک بل پیش کر کے اور عاجلانہ طور پر اس کو منظور کر کے مسلم یونیورسٹی کی قسمت پر مُہر لگا دی گئی، اور سات کروڑ مسلمان منہ دیکھتے رہ گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کے بارے میں یہی صورت پیش نہ آئے گی؟ اس لئے مسلمان اندیشہائے فردا اور آئندہ کے خطرات کے پیش نظر اپنے جمہوری حق کے اظہار کے طور پر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ہمیں معاصر مذکور کو آخر برائی نظر کیوں آتی ہے؟ خود معاصر مذکور جمہوریت کی بقا کا داعی و علمبردار ہے اور پیش نظر مضمون میں اس نے خود اظہار رائے کو جمہوریت کی بقا کے لئے بہت ضروری چیز قرار دیا ہے، چنانچہ مضمون نگار تحریر کرتا ہے:

"مسلم قانون شرعیہ کے متعلق اظہار رائے یا یہ کہنا کہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے باعث دل آزاری نہیں سمجھنا چاہئے، کسی بھی مذہب میں اگر کوئی قباحت کسی کو نظر آتی ہے تو وہ اسکی نشاندہی ضرور کریگا۔ دل آزاری اسے اسی صورت میں کہا جائے گا جب مناسب آداب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائیگا۔ تہذیب آداب کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کوئی نکتہ چینی کرے تو جمہوریت میں یہ حق دینا ہی پڑیگا۔"

لہٰذا مضمون نگار کو مسلمانوں کی عظیم اکثریت کا اپنی رائے کے اظہار کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہونے میں برائی آخر نظر کیسے آگئی؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کسی مسئلہ میں اظہار رائے کیلئے جب دو چار آدمی ——— حمید دلوائی قسم کے ——— کسی جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ محمود و مستحسن ہیں ورنہ شدہ یہ دلوا جا رہا ہے کہ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان اس کو منظور کر لیں۔ مگر جب اسی مسئلہ پر تمام مسلمان اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت اپنی رائے کے اظہار کے لئے کسی جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو یہ بہت بُری بات ہوتی ہے، عجلت پسندی ہے، خلاف جمہوریت ہے، ناعاقبت اندیشی ہے، اور اپنی

سیاست کی دکان چمکانا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بڑی عجیب بات اور نرالی منطق ہے جس کا جواب نہیں ہے۔ یہ جمہوریت نہیں بلکہ جمہوریت کا مذاق ہے۔ اور پھر مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بھی بخوبی ظاہر ہو گیا کہ مضمون نگار کا منشا کیا ہے اور سیکولر ڈیموکریسی کی پالیسی کیا ہے؟

اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان حمید دلوائی قسم کے لوگوں کی شریعت اسلامیہ پر تنقیدیں بلکہ لعن و طعن سنتے اور برداشت کرتے رہیں۔ مگر اس کے جواب میں لب کشائی ہرگز نہ کریں۔ اور نہ شریعت اسلامیہ کا دفاع کریں۔ پھر اس مضمون کا حاصل یہ بھی ہے کہ مضمون نگار کو اسلامی قانون ناقص بھی نظر آرہا ہے، اور اس میں تبدیلی کا بھی خواہشمند ہے "جیسا کہ یہ کسی بھی مذہب میں کوئی قباحت اگر کسی کو نظر آتی ہے تو وہ اس کی نشان دہی ضرور کرے گا ....." کے فقرہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ تبصرہ اگرچہ بہت نرم انداز میں اور مبہم طور پر کیا گیا ہے، مگر یہی فقرہ مضمون نگار کے فتور نیت کی غمازی کر رہا ہے، چونکہ یہ ماہنامہ نیم سرکاری پرچہ ہے، اس وجہ سے اس قسم کے مضامین کی اشاعت سے ہمیں شبہ ہوتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں حکومت کی نیت ٹھیک نہیں ہے، اگرچہ شریمتی اندرا گاندھی اور حکومت کے دیگر اراکین بار بار یقین دہانیاں کرا رہے ہیں، کہ ہم مسلم پرسنل لا میں مسلمانوں کی اکثریت کی مرضی کے بغیر کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔

بہرحال یہ مضمون ہم اس لئے شامل اشاعت کر رہے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ مخالفین ہمارے ملی مسائل کے بارے میں کس کس طرح سوچتے ہیں اور "شکر آمیز ٹکیاں" تیز لوریاں دے دے کر کس طرح میٹھی نیند سلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ادارہ)

ڈی آر گوئل

مسلم پرسنل لا پر ہنگامہ آرائی

"مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔"

دعوت ۳۱ر ڈسمبر ۱۹۷۲ء

"مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں سرکاری مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔"

(ایضاً)

اس قسم کی چیختی ہوئی سرخیاں دے کر بمبئی میں ۲۷ ر ۲۸ ر ڈسمبر ۷۲ء کو منعقدہ مسلم پرسنل لا کنونشن کی رپورٹیں اردو اخبارات میں شائع کی گئیں۔ سرخیاں دیکھ کر ہی تاثر ہوتا ہے کہ شاید گورنمنٹ کی طرف سے مسلم پرسنل لا میں کسی تبدیلی کے لئے تحریک ہو رہی ہے، اور اس کی مزاحمت کے لئے اہل قرآن و سنت کو کمربستہ ہونے کی ضرورت ہے۔

بہت سے اخبارات اور بہت سی تنظیموں نے گذشتہ کئی مہینوں سے ملک بھر کے مسلمانوں میں اسی قسم کا پروپگنڈا کیا ہے۔ جگہ جگہ جلسے کئے گئے۔ اخبارات میں مضامین لکھے گئے جن میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کی انفرادیت ختم کرنے کے لئے کوئی سازش کی جا رہی ہے جس کے پیچھے حکومت کا ہاتھ ہے۔

یہ تمام شور و غوغا مسلمانوں کے اندر سیاسی پسماندگی اور عام مایوسی کی علامت ہے، ورنہ اس سے پہلے کہ یہ نام نہاد قائدین مسلم جذبات کی سوداگری کا یہ نیا سلسلہ شروع کرتے، ان سے سوال کیا جاتا کہ وہ کونسی وجہ ہے جو آپ کو یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور کرتی ہے کہ مسلم لا میں تبدیلی کی جانے والی ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر ایک قصہ یاد آتا ہے کہ ایک

بڑھیا اپنے گھر میں مغموم صورت بیٹھی تھی، پڑوسن پاس سے گزری تو پوچھا بہن ایسا منہ بنا کر کیوں بیٹھی ہو، بڑھیا نے جواب دیا ایسے ہی اپنے بیٹے کا خیال آ گیا، دونوں میں باتیں چل پڑیں اور سلسلہ گریہ و زاری تک پہنچ گیا۔ گاؤں کے دوسرے لوگ بھی آتے جاتے وہاں بیٹھنے لگے کسی نے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ واقعہ کیا ہے۔ جو بھی آیا منہ بسور کر بیٹھ گیا۔ عورتیں گلے مل مل کر رونے لگیں۔ نظارہ ایسا بندھ گیا جیسے واقعتاً کوئی موت ہو گئی ہو۔ اتنے میں بڑھیا کا بیٹا گھر آیا اور پوچھنے لگا کیا ہوا؟ اس کا یہ سوال سبھی نے دہرایا، جواب کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔

غالباً یہی بات پرسنل لا کے معاملے میں ہو رہی ہے سبھی بڑھ چڑھ کر اس کی حفاظت میں بیان بازی کر رہے ہیں۔ کوئی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔

بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے سورت کے عربی اکاڈمی کے ناظم ڈاکٹر والی محمد نجم الدین نے حکومت کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا کہ وہ اس وقت تک مذہبی اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کے شرعی اور مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرے گی جب تک کوئی اقلیت خود اس میں تبدیلی کی خواہشمند نہ ہو۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہم حکومت کے اس موقف کی حمایت کرتے ہیں اور اس معاملہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔

جس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا وہ کوئی نیا نہیں، حکومت کی طرف سے بار بار اس بات کی یقین دہانی کروائی گئی ہے۔ اس کے باوجود یہ ملک گیر تحریک برائے تحفظ قانون شرعیہ کس لئے؟ بمبئی کی یہ کنونشن کس لئے؟ افسوس کا مقام یہ ہے کہ وہ جماعتیں اور افراد جو خود کو فرقہ واریت کے مخالف کہتے ہیں، انہوں نے بھی یہ سوال اٹھانے کی زحمت گوارہ نہیں کی اور مسلمانوں کے اندر خوف و ہراس پیدا کر کے ان میں فرقہ بندی کے رجحانات کو فروغ دینے میں دلچسپی رکھنے والی سیاسی پارٹیوں اور گروہوں کو کھل کھیلنے کی اجازت دی۔

مسلمانوں کی قیادت حاصل کرنے کے لئے بیقرار ان ناعاقبت اندیش لیڈروں نے دماغی توازن اس حد تک کھو دیا کہ حکومت کے موقف اور حمید دلوائی کی قماش کے لوگوں کے بیانات میں بھی تمیز نہ کر پائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریسی حکومتوں نے بھی دلوائی جیسے لوگوں کو سمجھنے میں تغافل اور تاخیر سے کام لیا۔ اور وہ لوگ کچھ عرصے تک عوام میں خود کو حکومت کے منظور نظر کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن وہ مسلم رہنما جنہوں نے نہایت کامیابی سے دلوائی صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پردہ اکابرین حکومت کے روبرو فاش کیا ہے جنہوں نے ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور مضامین کا حوالہ دے کر ان کو مرکزی حکومت کی کچھ کمیٹیوں میں عمل دخل کرنے سے روکا۔ اور آر ایس ایس کے اخبارات میں ان کے مضامین اور ان کی ذات کی مدح سرائی دیکھی ہے، ان کو حمید دلوائی کی مانگ اور حکومت کے موقف میں فرق کرنا چاہئے تھا۔ حمید دلوائی، اے بی شاہ وغیرہ کچھ لوگ گذشتہ چند برسوں سے دھڑا دھڑ مضامین لکھتے آ رہے ہیں، کہ جب تک مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں سول کوڈ نافذ نہیں کیا جائے گا، تب تک ہندو مسلمانوں میں نفرت کی خلیج بڑھتی جائے گی اور فسادات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ان کے اس طرز خیال سے نہ تو ملک کے جمہوریت نواز طبقے کو ہمدردی رہی ہے اور نہ ہی حکومت کو بلکہ مذہبی اقلیتوں کے شرعی اور مذہبی امور میں نا مداخلت کا بیان حکومت نے انہیں تحریروں اور مانگوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دیا تھا۔

ان تمام حقائق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیاسی اغراض سے متاثر رہنما یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ حکومت پرسنل لا میں تبدیلی لانا چاہتی ہے۔ لہٰذا وہ حمید دلوائی کی قماش کے لوگوں کو بھی حکومت کا نمائندہ قرار دے دیتے ہیں۔ ایک قطعاً غیر سرکاری ادارے انٹرنیشنل لا انسٹی ٹیوٹ میں ہوئے پرسنل لا سے متعلق ایک سیمینار کو حکومت کی تحریک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس سیمینار کے

پہلے اور بعد حکومت کا اس معاملے میں رویہ بالکل صاف کر دیا گیا تھا اس سیمینار میں کچھ لوگوں نے مختلف اسلامی ملکوں میں جو تبدیلیاں یا اصلاحات عمل میں لائی گئی ہیں۔ ان کا ذکر کیا۔ بجائے ان کو منطق اور دلیل کی کسوٹی پر پرکھنے کے جوشیلے اعلان جاری کئے گئے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی دوسرے ملک کی مثال سے رہنمائی حاصل نہیں کریں گے وہ تو قرآن و حدیث کو ہی اپنا رہنما بنائیں گے۔ اس کو ہم دلیل نہ کہہ کر جوشیلا اعلان اس لئے کہہ رہے ہیں کہ باوجود اس کی سطحی معقولیت کے اس دلیل کی بنیاد کوئی منطقی تجزیہ نہیں۔ اعلان جاری کرنے والوں نے یہ ثابت نہیں کیا کہ مراقش، تیونس، انڈونیشیا، ایران اور پاکستان کے اندر اس سلسلے میں جو اقدامات کئے گئے ہیں وہ کیونکر کتاب رسول کے احکامات کے خلاف ہیں۔

اسی قسم کی ذہنیت کا اظہار ان علماء کے بارے میں کیا گیا جنھوں نے خیال ظاہر کیا کہ مسلم پرسنل لا کی تشکیل جس طور سے انگریز کے دورِ حکومت میں ہوئی اور عملی طور پر آج جو اس کی صورت بن گئی ہے وہ احکام قرآنی کے عین مطابق نہیں۔ لہٰذا یہ کمزوری دور کرنے کے لئے حکومت کو مناسب کاروائی کرنی چاہئے۔ یہ بات حیدرآباد کے دانشوروں نے ایک بیان میں کہی تھی مرکزی وزیر داخلہ جناب محسن صاحب نے بھی اس بات کی ضرورت کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن قرآن اور سنت کے نام پر سیاست کرنے والوں نے ان کے پرخلوص موقف کو بھی غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اعلان کیا کہ مسلم پرسنل میں ایک شوشے کی تبدیلی بھی برداشت نہیں کی جائے گی۔ عقیدے کی یہ پختگی قابلِ احترام ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تبدیلی کس قانون میں مطلوب ہے۔ قانونِ شرعیہ میں تبدیلی کا داعی تو ان میں سے کوئی نہیں اس کو انگریزی حکومت نے جس صورت میں پیش کیا ہے۔ اس کی اصلاح البتہ یہ لوگ چاہتے ہیں۔

تحریک تحفظ کے مجاہدوں نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پرسنل لا کے متعلق کسی قسم کی بھی رائے زنی کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں۔ شدت جذبات میں وہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ جو لوگ قرآنی احکام کی پابندی نہیں کرتے اور جو لوگ وقت کے تقاضوں کے نام پر ان میں کوئی اصلاحات یا تبدیلی کے حق میں رائے دیتے ہیں وہ دائرہ اسلام میں ہی شامل نہیں کئے جا سکتے۔ وہ اپنے پاک ذہن کو ذرا سوچنے کی زحمت دیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کے بیان کے مطابق اگر دائرہ اسلام سے اخراج کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اس دائرے کی وسعت کیا رہ جائے گی اور دامنِ اسلام کو یوں تنگ کر کے وہ کس کی خدمت کریں گے۔ یہ رویہ دقیانوسیت اور تعصب سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ غیر جمہوری تو یہ ہے ہی۔ جمہوریت میں ہر شخص کو اپنے رائے کے اظہار کی آزادی ہوتی ہے۔ بہ شرط البتہ ہوتی ہے کہ آزادئ خیال و اظہار کا استعمال اس طریقے سے کیا جائے کہ دوسرے کی دل آزاری نہ ہو۔ مسلم قانون شرعیہ کے متعلق اظہار رائے یا یہ کہنا کہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے باعث دلآزاری نہیں سمجھنا چاہئے کسی بھی مذہب میں اگر کوئی قباحت کسی کو نظر آتی ہے تو وہ اس کی نشاندہی ضرور کرے گا۔ دلآزاری اسے اسی صورت میں کہا جائے گا جب مناسب آداب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائے گا۔ تہذیب و آداب کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کوئی نکتہ چینی کرے تو جمہوریت میں حق دینا ہی پڑے گا۔ کسی کو مذہب یا زبان کے اختلاف کی بنیاد پر غدار کہنا جیسے آر ایس ایس والے کہتے ہیں اس حق کا غلط استعمال ہے اور جرم ہے۔

مشترکہ سول کوڈ یا بھارتیہ کرن

از ادارہ

جب سے ملک میں شریمتی اندرا گاندھی کو مطلق اکثریت ملی ہے، جمہوریت، دستور اور قومی یکجہتی اور مسلم پسماندگی کی اصلاح کے نام پر ایک مٹھی بھر ٹولی جو ہندوستان کی مسلم اقلیت کو پریشان کرنے سے دلچسپی رکھتی ہے، یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ مسلم پرسنل لا، کو ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ یکساں سول کوڈ، وضع کر کے مسلمانوں پر نافذ کر دیا جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کیا جائے

قانون سازی اور پارلیمنٹ

دستور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک لکھے ہوئے (WRITTEN) اور دوسرے بغیر لکھے ہوئے (UN WRITTEN) یہ نہ لکھے ہوئے دستور وہ ہوتے ہیں جو کہ روایات پر مبنی ہوتے ہیں۔ جس دستور کی نوعیت یہ ہو کہ وہ قومی روایات کی بنیاد پر ہو اس کی بابت پارلیمنٹ کو روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے اور اس میں تبدیلی لانے کا پارلیمنٹ کو پورا حق حاصل ہے۔ لیکن جو دستور لکھا ہوا ہو، پارلیمنٹ کو اس میں کوئی اختیار نہیں ہوگا بلکہ مکمل اختیار دستور کو حاصل ہوگا۔

اور یہ بات بدیہی ہے کہ اسلامی دستور نہ صرف یہ کہ لکھا ہوا ہے بلکہ یہ اس ملک الملک کا اُتارا ہوا دستور ہے جس کے کسی بھی حکم میں تبدیلی لانے کا ارادہ قانون فطرت سے بغاوت ہے اور کسی بھی انسان کو اس میں تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو ——

اس لئے جب مذہبی معاملات کے متعلق دستور نے آزادی دے دی ہے تو ایسی صورت میں کسی سیکولر گورنمنٹ کے لئے جس میں مذہبی آزادی کی پوری ضمانت موجود ہو مسلمانوں کے پرسنل لاء میں ترمیم نامناسب ہی نہیں انتہائی غلط اور غیر دستوری بات ہے۔

جسٹس خلیل احمد

جمہوری نظام حکومت کیا ہے

چونکہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے سلسلہ میں بار بار جمہوریت کا نام استعمال کیا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ جمہوریت کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔

جمہوریت میں بلاشبہ پارلیمنٹ کی اکثریتی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے لیکن اکثریت کو اقلیت پر اپنی مرضی نافذ کرنے کا قانونی حق نہیں ہوتا۔ الکشن کے ذریعے حکومت بننا جمہوریت نہیں ہوتا۔ آمرین بھی الکشن کے ذریعہ برسر اقتدار آتے ہیں لیکن ان کی حکومت کو کوئی جمہوریت قرار نہیں دیتا۔ جمہوریت نہ الکشن کا نام ہے اور نہ اکثریت کے جبر کا:

فلسفہ جمہوریت کے ماہرین کا یہ قول ہے کہ جمہوریت اس نظام حکومت کا نام ہے جس کی اساس افہام و تفہیم پر ہوتی ہے جس میں اکثریت اپنے زعم اقتدار میں اقلیت کی آواز کو کچلتی نہیں۔ بلکہ اسے سمجھا بجھا کر اپنا ہم نوا بناتی ہے

جس میں طاقت کا سہارا نہیں لیا جاتا۔ محبت دلیل اور سمجھوتے سے کام نکالا جاتا ہے۔

اور جب ہم اس زاویہ سے مسلم پرسنل لا کی منسوخی اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کو دیکھتے ہیں تو ہم یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہوتے ہیں کہ جمہوریت کے نام پر ملک میں جمہوریت کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور افہام و تفہیم یا عقل و دلیل کے مقابلہ میں اکثریت کے جابرانہ اقتدار کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے جسے سب کچھ کہا جا سکتا ہے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔

کیا یکساں سول کوڈ ملکی اتحاد کیلئے ضروری ہے؟

یہ سرے سے مہمل بات ہے کہ ایک مشترکہ سول کوڈ کا نفاذ ملک کے اتحاد کے لئے ضروری ہے بلاشبہ ملک میں فوجداری کا قانون مشترک ہے۔ لیکن چونکہ اس ملک کے ہر حصہ کے لوگوں میں تہذیبی، تمدنی، لسانی، فکری اور معاشرتی اختلافات موجود ہیں اس لئے ہر ریاست کو جو در اصل ایک لسانی یا تہذیبی اکائی ہے۔ یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باشندوں کی تہذیبی، لسانی اور فکری خصوصیات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے لئے قوانین وضع کرے جس کے نتیجہ میں لوگ اپنی تمدنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے ترقی کی منزلیں طے کر سکیں۔

اگر ساری تہذیبی لسانی اور تمدنی اکائیوں کے لئے ایک ہی قانون مفید ہوتا تو ریاستی مجلس مقننہ قائم کرنے اور انہیں قانون سازی کا حق دینا قطعاً فضول ہوتا

پارلیمنٹ سارے ملک کے لئے قوانین بنایا کرتی اور ریاستی خود مختاری یا وفاق کا تصور ختم کر کے ہندوستان کو ایک وحدانی مملکت قرار دیدیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے ہندوستان کا دستور وفاقی ہے اور اس دستور میں ہر ریاست کو اپنے باشندوں کی روایات، ذہنیت، افکار اور تہذیبی رجحانات کا لحاظ رکھتے ہوئے قانون سازی کا حق دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں فوجداری کے قوانین سارے ملک میں مشترک ہیں وہیں سول قوانین کے معاملہ میں مختلف ریاستوں میں زبردست اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دستور ہند نے ہر تہذیبی وحدت کو اپنی روایات کے مطابق پھلنے پھولنے کا حق دیا ہے اور ریاستی مجالس مقننہ کا وجود اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے دستور نے مرکز کو ہرگز یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ ملک کے مختلف تہذیبی، لسانی یا تمدنی وحدتوں پر کوئی ایک مشترک قانون نافذ کر کے ان کی انفرادیت کا خاتمہ کر دے۔ بلاشبہ فسطائی ذہن رکھنے والے یہی چاہتے ہیں اور مرکز اور صوبوں میں ایک ہی پارٹی کی حکومت ہونے کے نتیجے میں صوبائی خود مختاری کافی حد تک مجروح بھی ہوئی ہے۔

لیکن پھر بھی جہاں تک دستور کا تعلق ہے وہ ان امور میں جو "سیکولر" ([illegible]) کہلاتے ہیں۔ ہر تہذیبی اکائی کو اپنی مرضی کے مطابق قانون وضع کرنے کا حق دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ریاست کے قوانین ایک دوسرے سے جداگانہ ہوا کرتے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ الگ الگ قوانین کیوں؟ ہر ریاست میں ایک ہی قانون کیوں نہ ہو؟ یا ان الگ الگ قوانین سے ملک کا اتحاد متاثر ہوتا ہے؟

سیکولرزم

سیکولرزم کا مفہوم یہ ہے کہ اسٹیٹ کا کوئی مذہب نہیں ہے اور اسے لوگوں کے مذہبی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کسی فرقہ کے مذہبی معاملات میں دخل دینا نامناسب اور غلط ہی نہیں بلکہ سیکولرزم کے اصولوں کی بھی مخالفت ہے
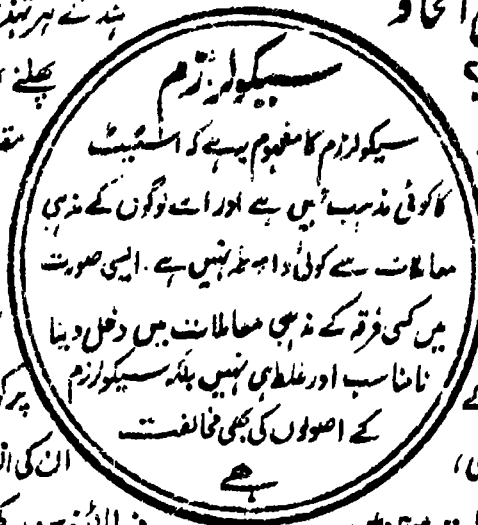
اگر ہر تہذیبی، تمدنی، لسانی وحدت اپنے جداگانہ سول قوانین رکھ سکتی ہے اور ان سے اتحاد وطنی پر کوئی خراب اثر نہیں پڑتا تو اگر ایک مذہبی وحدت اپنا جداگانہ عائلی قانون رکھتی ہے تو اس سے اتحاد ملی پر کون سی آنچ آسکتی ہے؟

دراصل یکساں سول کوڈ کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مذہبی وحدت کی انفرادیت اور اس کے تشخص کا خاتمہ کر دیا جائے اور یہ چیز دستور ہند کی روح کے منافی ہے۔ اگر ہر تہذیبی و لسانی وحدت کو (اور آج کے ہندوستان میں ہر ریاست ایک تہذیبی یا لسانی وحدت تسلیم کی جاتی ہے) یہ حق ہے کہ وہ تعلیم، صحت، معاش، صنعت، زراعت اور دوسرے امور میں اپنے جداگانہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے اور یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ان تمام وحدتوں پر ایک مشترکہ قانون نافذ کر دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کسی مذہبی وحدت سے یہ حق کیوں سلب کیا جائے؟ اور اسے یہ حق کیوں نہ دیا جائے کہ وہ اپنے پسندیدہ مذہبی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے؟

رہنما اصولوں کی آڑ

مشترکہ سول کوڈ کے نفاذ کے سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ مشترکہ سول کوڈ کا تذکرہ "رہنما اصولوں" میں موجود ہے سوال یہ ہے کہ یہ "رہنما اصول" کیا ہیں اور ان کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ "رہنما اصول" دراصل ان چند نیک خواہشات پر مشتمل ہیں جن کو کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ "رہنما اصولوں" اور "بنیادی حقوق" میں فرق یہ ہے کہ بنیادی حقوق کو قانون کی مدد سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان سے متعلق ہر مسئلہ عدالت کی مدد سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان سے متعلق ہر مسئلہ عدالت میں لے جا کے قانون اور عدالت کی مدد سے ان کا نفاذ کرایا جاسکتا ہے۔ انھیں قانون کی اصطلاح میں JUSTICIABLE کہا جاتا ہے۔ لیکن "رہنما اصولوں" کی یہ صورت نہیں ہے۔ رہنما اصول NON JUSTICIABLE ہیں اور ان کا نفاذ عدالت کے ذریعے نہیں کرایا جاسکتا ایسی حالت میں بنیادی حقوق پر رہنما اصولوں کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اور محض "خوشنما نعروں" پر ٹھوس قانونی حقوق قربان نہیں کئے جاسکتے۔ رہنما اصولوں میں شراب بندی، فراہمی روزگار، معاشی مساوات، چھوت چھات کے مسائل بھی ہیں لیکن آزادی کے ۲۵ سال بیت جانے کے باوجود کسی رہنما اصول پر کوئی عمل نہیں ہوا شراب بندی پر کسی حد تک عمل ہوا تھا لیکن رہنما اصولوں کے علمبرداروں ہی کے ہاتھوں یہ عمل بھی ختم ہو گیا۔ روٹی اور روزگار کا حق" جو رہنما اصولوں کی جان ہے اس طرح نذر طاق نسیاں کر دیا گیا ہے کہ اس کا تذکرہ بھی حرام سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں رہنما اصولوں میں سے محض مشترکہ سول کوڈ کا انتخاب کیا جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ محبت رہنما اصولوں سے نہیں ہے بلکہ یہ آڑ صرف اس غرض سے لی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے عائلی شرعی قوانین سے محروم کر دیا جائے۔

بھارتیہ کرن کا دوسرا روپ؟

گذشتہ ۲۵ سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جن سنگھ مسلمانوں کے سلسلہ میں کھلے لفظوں میں ایک مطالبہ کرتی ہے اور حکمران طاقت خوبصورت لفظوں میں ملبوس کر کے اس مطالبہ کو پورا کر دیا کرتی ہے — جن سنگھ کھردرے صاف اور تلخ لفظوں میں جو کچھ چاہتی ہے اسے حکمران طبقہ خوبصورت (بقیہ صفحہ ۵۹ پر ملاحظہ ہو)

ہندوستانی قومیت میں اسلام اور مسلمانوں کا مقام

زیر نظر مضمون دراصل ہمارے ملک کی ایک نامور قانونی شخصیت جناب خلیل احمد صاحب چیف جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ (ریٹائرڈ) کے ایک طویل انٹرویو کی تلخیص ہے جسے انہوں نے حال ہی میں ایک پندرہ روزہ کو دیا تھا آج کے ہندوستان میں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی یا منسوخی کی جو مہم سرکاری حلقوں اور ان کے منظور نظر عناصر کی طرف سے چل پڑی ہے اس کا تاریخی پس منظر نیز نئے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں نئے ہندوستان کے معماروں کی اصل پالیسی کو بخوبی سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ ہمارے قارئین کے لئے یقیناً بے حد مفید ہوگا (ادارہ)

ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی جگہ کیا ہے؟

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ہے کہاں؟ اسلام جس کے عقائد و اصول تعلیمات و افکار قرآن و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اس اسلام کا عملی دنیا میں کہیں پتہ نہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان دو الگ الگ چیز ہو گئے ہیں۔ جس چیز کا نام اسلام ہے وہ کتابوں اور الماریوں میں بند ہے اور مدعیان اسلام، اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ ان میں خود نہ عمل نہیں۔ کردار نہیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے تجربہ حیات سے فائدہ پہونچنے کی بالکل امید نہیں رہ جاتی۔

سب سے بڑی ٹریجڈی یہ ہے کہ مسلمان علم و سائنس کے میدان سے یکسر دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے بنیادی اصول، اساسی عقائد و تعلیمات دوامی ہیں۔ لیکن ان کے ماتحت زندگی پر جو عکس پڑتا ہے وہ حالات کے تابع ہوتا ہے اور اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اسی لئے زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ان پر نظر ثانی کرتے رہنا چاہئے۔ یہ زمانہ علمی نقطہ نگاہ سے بڑا انقلابی ہے اس انقلاب کو سمجھنے کے لئے دنیا کے متفرق فلسفہ ہائے حیات کا جاننا بھی اپنے بنیادی اصولوں کے سمجھنے سے کم ضروری نہیں۔ یہ کہنا کہ دوسرے فلسفہ حیات اسلام کی نفی کرتے ہیں۔ اسی لئے ان پر غور کرنا بھی کفر ہے۔ میرے خیال میں یہ نظریہ صحیح نہیں میرے نزدیک اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت نیز مخالف احوال و ظروف سے توافق پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیا میں موجود تمام افکار و نظریات اور اسالیب فکر اور فلسفہ ہائے حیات کا گہرا مطالعہ کریں اور اس وسیع مطالعہ کی روشنی میں اسلامی مشعل کو لے کر آگے بڑھیں۔ جہاں تک ہندوستان کی موجودہ قومیت میں اسلام کی جگہ کے تعین کا سوال ہے اگر ہم نے اپنے ہزار سالہ دور میں ہندوستان کے حالات اور یہاں کی نزاکتوں کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے خود اسلام کا عملی نمونہ بن کر اس کی تبلیغ و اشاعت کا فرض انجام دیا ہوتا اور اسلام کی رحمت عام کی ہوتی تو آج اس سوال کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ لیکن ہم جب سے ہندوستان میں آئے اس وقت سے اب تک ہم اپنے انسانی اور ایمانی فرائض سے غفلت ہی برتتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمیں اس قسم کے سوالات پر سوچنا پڑ رہا ہے۔

ہندوستان ایک مخلوط سماج بہرحال اس

سوال کا دینے کے لئے ہمیں ہندوستان کی ماضی کی تاریخ کریدنی ہوگی۔ قدیم دور سے ہندوستان کی تاریخ میں جو سماج تھا اس کی تعبیر کے لئے "مخلوط سماج" کا لفظ زیادہ مناسب ہوگا۔ مغلوں کے دور میں گو کہ سلطنت کا اختیار اقلیت کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن سیاست و ریاست اور اقتدار کی تقسیم میں ہمیشہ یہ اصول پیش نظر رہا کہ کسی دوسری قوم کو حتی الوسع شکایت کا موقع نہ دیا جائے اور مناصب و وظائف کی تقسیم میں "مخلوط سماج" کا بہرحال لحاظ رکھا جائے یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بڑے بڑے مناصب وزارتیں اور دوسرے عہدوں سے غیر مسلم بھی نوازے گئے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب ہندوستان میں انگریز برسر اقتدار ہوئے تو انھیں بھی اس مخلوط سماج کا لحاظ رکھنا پڑا ان کے آنے کے بعد صرف یہ تغیر ہوا کہ عنان حکومت ان کے ہاتھ میں چلی گئی اور ہندو مسلم دونوں سوسائٹیاں ان کی رعایا اور محکوم ہوگئیں۔ دونوں سوسائٹیوں اور ان کی خصوصیات کا تقسیم اقتدار میں انھیں بہرحال خیال کرنا پڑا۔ ان کے دور میں جو سب سے بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوا وہ یہ تھا کہ وہ اقتدار کی تقسیم کے ذریعے اپنی حکومت کی بقاء کے لئے ان دونوں سوسائٹیوں کو آپس میں لڑاتے رہے اور "بانٹو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔

مخلوط سماج تقسیم ہند کے بعد

ہر سوسائٹی کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن سے وہ سوسائٹی پہچانی جاتی ہے۔ فرقوں کی یہ خصوصیات تین قسم کی ہوتی ہیں (۱) تمدنی (۲) مذہبی (۳) لسانی۔ جب ہم مسلمانوں کو بھی ایک فرقہ مانا گیا تو یہ تینوں

صفحہ ۵۲ کا بقیہ ڈپلومیٹک لفظوں کا روپ دے کر پورا کر دیا جاتا ہے • اردو کے سلسلے میں یہی ہوا • مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ میں یہی ہوا • ملازمتوں کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ فسادات کے سلسلے میں بھی عمل وہی ہوتا ہے جو جن سنگھ چاہتی ہے لیکن زبان سے متحدہ قومیت اور سیکولرازم کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ گویا اس ملک میں ہوتا ہے وہی جو جن سنگھ چاہتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس عمل کو پُرفریب حسین لفظوں کا نقاب اُڑھا دیا جاتا ہے اسی پس منظر میں بھارتیہ کرن کے نعرے کو دیکھیے، جن سنگھ نے بڑے صاف لفظوں میں مسلمانوں کو "ہندوانے" کا مطالبہ کیا تھا۔ حکمران طبقہ شاید اسی مطالبہ کی تکمیل کے لئے یکساں سول کوڈ کے حق میں فضا تیار کر رہا ہے۔ یکساں سول کوڈ کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ہندوؤں کے شادی، بیاہ، طلاق، اور وراثت وغیرہ کے قوانین مسلمانوں پر نافذ کر دئے جائیں۔ ابھی ابھی لے پالک بچوں کے سلسلہ میں ہندو قانون کا دائرہ وسیع کر کے مسلمانوں پر بھی یہ قانون نافذ کر دیا گیا ہے۔ اب یکساں سول کوڈ کے نام پر ہندوؤں کے قوانین مسلمانوں پر نافذ کرنا مطلوب ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جن سنگھ اس کے لئے بھارتیہ کرن یا ہندوانے کا لفظ استعمال کرتا ہے اور حکمران طبقہ چونکہ دنیا کو اس دھوکہ میں رکھنا چاہتا ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اسی لئے وہ یہی کام ایک مشترکہ سول کوڈ کے نام سے کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہی ۲۵ سال پرانی ترکیب ہے جسے مسلمان بخوبی جانتے اور سمجھتے ہیں مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ کا نفاذ مسلمانوں کے بھارتیہ کرن یا انہیں ہندوانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور چونکہ مسلمان اس بدنیتانہ سازش کو سمجھتے ہیں اسی لئے وہ متحد ہو کر شریعت اسلامیہ کے دفاع کی سعی کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم پرسنل لا کنونشن اسی سلسلے کا پہلا قدم ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ ہندوستان میں اسلام اور شریعت اسلامی کے تحفظ کی جو جنگ اس کنونشن کے ذریعہ شروع ہوئی ہے وہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ بھارتیہ کرن کے خالص فسطائی مطالبہ کو جمہوریت، ترقی پسندی اور سیکولرازم کے پرفریب نعروں میں چھپا کے پورا کرنے کی مذموم مساعی کو ناکام نہیں بنا دیا جاتا۔ مسلمانانِ ہند دراصل بنیادی حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ چونکہ ہماری یہ جنگ قطعاً حق پر مبنی ہے اس لئے ہمیں ضرور بہ ضرور کامیابی نصیب ہوگی۔

خصوصیات بھی لازماً مان لی گئیں۔ صورت حال کا یہی نقشہ
تقسیم ملک تک باقی رہا۔ لیکن لگتا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم
ہند کے بعد اکثریت کے بیشتر اصحاب فکر کے ذہن میں یہ بات
آئی کہ "مخلوط سماج" ختم ہوگیا اور اب صرف ایک ہی فرقہ
کا سماج رہ گیا ہے۔ اب گویا سماج کی دنیا ان کی نظر میں سمٹ
کر واحد سماج "ہندو مت" پر مبنی رہ گئی۔ لیکن اکثریت کے
اصحاب فکر کے اس رجحان کے باوجود یہ بات اپنی جگہ پر حقیقت
تھی کہ جس کا انکار محال تھا کہ تقسیم ملک کے بعد بھی مسلمانوں کی
ایک بڑی تعداد اس ملک میں باقی رہی اور مسلمانوں کے علاوہ
دوسری چھوٹی چھوٹی اقلیتیں بھی ملک میں موجود ہیں۔ یہ صورت
حال تھی جب آزاد ہندوستان کا دستور بنا اور اس دستور
کی بنیاد چار اجزاء پر رکھی گئی۔

(۱) قومیت (۲) سیکولرازم (۳) سوشلزم (۴) جمہوریت

دستور بناتے وقت دستور بنانے والوں کے سامنے
یہ سوال تھا کہ ہندوستان میں ہم جو چیزیں لانا چاہتے ہیں ایک
تو سیکولرازم جس کے معنی یہ ہیں کہ ریاست ہر چیز میں ملک
کی بناوٹ کو دیکھے گی۔ اور اس میں بنیادی چیز ملک کی انفرادی
بافت ہوگی۔ اور انفرادیت کا مرکز شہری ہوگا۔ دستور صرف
شہری کو دیکھے گا۔ اور اس کی صلاحیت ملحوظ ہوگی۔ مذہب
اور فرقہ کا ہرگز لحاظ نہ کیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس کا لازمی
نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ سماج کی شکل حتی الوسع وحدت کی ہو۔
اور مخلوط سماج کو نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن اس راستے
میں یہ مشکل سامنے آئی کہ ہندوستان کی پوری تاریخ اور
روایات کی بنیاد "مخلوط سماج" پر چلی آرہی تھی۔ اب دشواری
یہ تھی کہ دستور سیکولر بنیاد پر بن رہا تھا جس میں "مخلوط سماج"
کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر آخر یہ تضاد کیسے نبھایا جاتا اور ہندوستان
میں موجود "مخلوط سماج" متفرق لسانوں اور متفرق تمدن کو کس
طرح انداز کر دیا جاتا اور دستور میں ملحوظ چوتھے جز جمہوریت
کی کس طرح کارفرمائی ہوتی۔ سیکولرازم اور جمہوریت کے
مفہوموں کا یہی متصور تضاد تھا جس کو حل کرنے کے لئے دستور
ساز کمیٹی نے دستور کے اصول سیکولر کے باوجود اجتماعی
خصوصیت کے تین اجزاء (۱) کلچر (۲) مذہب (۳) زبان
کی آزادی کو بنیادی حقوق کے نام سے برقرار رکھا اور
اس بات کی ضمانت دی گئی کہ سلطنت ان چیزوں میں
مداخلت نہ کرے گی اور اقلیتوں کی مذکورہ تینوں چیزوں
کی بہرحال حفاظت کی جائے گی۔ اور ان کے بقاء اور
استحکام کی بابت پورا تعاون کیا جائے گا۔

گویا کہ دستور سیکولر تسلیم کرنے کے باوجود اقلیتوں کے
حقوق ہندوستان کی قدیم تاریخ اور روایات کو مدنظر
رکھتے ہوئے مستثنیٰ کر دئے گئے لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ دستور
بننے کے بعد جو گورنمنٹ بھی دستور کے مطابق اب تک
بنتی رہی اس نے ان تحفظات کی بقاء کے لئے کوئی کوشش
نہیں اور اقلیت کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتی رہی قوم نے
تو دستوری حقوق دیئے لیکن گورنمنٹ نے اسے روبہ
عمل نہ کیا۔ گورنمنٹ ہمیشہ اکثریت کی مضبوطی اور اقلیت
کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتی رہی اور قوم کے دئے ہوئے
حقوق کو پامال کرتی رہی۔

جب یہ بنیادی حقوق اقلیتوں کو دیئے گئے اور ان
کے مذہب، کلچر اور زبان کو سیکولر دستور سے مستثنیٰ قرار
دیا گیا اور اصولی طور پر ان حقوق کی بنیاد "مخلوط سماج"
اور "مذہبی فرقہ بندی" کو قرار دیا گیا تو اس "مذہبی اقلیت"
اس فرقہ سے دریافت کرنا تھا کہ اس کے پورے حقوق
اسے مل رہے ہیں یا نہیں۔ دستور کے عطا کردہ ان بنیادی
حقوق سے "مذہبی اور لسانی اقلیتیں" کس حد تک

مستفید ہو رہی ہیں۔ اسے اکثریت نہیں سمجھ سکتی۔ اس کے بابت فیصلہ خود "اقلیتیں" ہی کر سکتی ہیں۔ دستور کے عطا کردہ ان بنیادی حقوق سے اقلیتوں کو مستفید کرنے کے لیے ضروری تھا کہ گورنمنٹ اقلیتوں کی پسند کا کوئی "مضبوط ادارہ" بناتی۔ جو اقلیتوں کی حق تلفیوں کی صحیح رپورٹ گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کر سکتا۔ اور ان حقوق کی تکمیل کی راہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں ان کے ازالہ کے سلسلہ میں سفارشات پیش کرنا اور اقلیتوں کی مشکلات سے قوم کو با خبر رکھتا۔ لیکن نہ صرف یہ کہ گورنمنٹ نے اس قسم کا کوئی ادارہ نہیں بنایا بلکہ اقلیتوں میں اپنے حقوق کی تحفظ کے لیے اگر کوئی ٹوٹی پھوٹی لیڈرشپ اُبھری بھی تو اسے سیکولرازم کا شور مچا کر دبا دیا گیا اور ستم بالائے ستم تو یہ کہ اقلیتوں کے ساتھ حکومت نے بالکل انگریزوں کی طرح "بانٹو اور حکومت کرو" کی منطق استعمال کی۔

یہ صحیح ہے کہ دستور کی بنیاد سکولرازم ہے جو انفرادیت اور شہریت پر مبنی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذہب، تمدن اور زبان کا مسئلہ "سیکولرازم اور سواحد سماج" کے اُصول سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ اور قوم نے دستور کے ذریعے اقلیتوں کو یہ اہم ضمانتیں دیدی تھیں۔ پس مذہب کلچر، زبان کا جب دستور نے تحفظ کر دیا تو ان کا مطالبہ کسی طرح بھی فرقہ وارانہ نہیں قرار دیا جا سکتا اتنی حد تک فرقہ واریت کی خود دستور نے دعوت دی ہے۔ اسی لیے سیکولرازم کے ڈھنگ کے تحت ان کا ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب دستور نے ان کی ضمانت دیدی ہے تو ان کی مانگ نہ صرف یہ کہ جائز اور مبنی برحق ہے بلکہ دستور اور ملک سے وفاداری کا تقاضہ ہے کہ ان حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کیا جائے۔

مخلوط سماج میں مختلف سوسائٹیاں ہوتی ہیں۔ مختلف فرقے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر سماج اور ہر فرقے کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ اگر ان سماجوں اور فرقوں کی الگ الگ خصوصیات نہ ہوں تو ان پر مخلوط سماج کا اطلاق ہی غلط ہوگا۔ اب کسی ایسے ملک میں جہاں مختلف سوسائٹیاں اور مختلف فرقے ہوں آپ سیکولرازم نافذ کرنا چاہیں تو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ سماج میں موجود مختلف فرقوں کی خصوصیات کا لحاظ نہ رکھا جائے بلکہ ان خصوصیات کو بالکل ختم کر دیا جائے ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام فرقے ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ اور یہ طریق کار جمہوریت کے بجائے فاشزم اور نازی ازم کہلائے گا۔ جس کی اجازت کوئی بھی جمہوری ملک نہیں دے سکتا۔ جمہوریت کے دعوے کے ساتھ یہ بالکل غیر مناسب اقدام ہوگا۔ دوسری صورت حال یہ ہے کہ ملک میں موجود مختلف سماجوں کی جو خصوصیات ہیں ان کی بنیادی باتوں کو مان لیجئے اور غیر بنیادی باتوں کو چھوڑ دیجئے ظاہر ہے کہ یہ صورت فطری اور انسانیت و شرافت پر مبنی ہے اور جمہوریت کی روح سے مناسبت رکھتی ہے ہمارے دستور نے مذہب، تہذیب اور زبان کو انہی بنیادی خصوصیات کا درجہ دیا ہے اور ان کے تحفظ کی ضمانت دی ہے اور آپ نے اپنے آپ کو جمہوریت نواز ثابت کرنے کے لیے دستور میں ان کا اعتراف کیا تاکہ دنیا آپ کو فاشسٹ نہ کہے۔ لیکن عملاً آپ اندرونی معاملات میں فاشزم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور ہمارے مذہب، تمدن اور زبان کے برباد کرنے کے درپے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم کمزور ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قانون کے ساتھ مذاق اور دستور پر ظلم ہے۔

I

مولوی حکیم تسخیر حسن ندوی سے مل کر ہوئی جو آج کل ممبئی میں مقیم اور طیبہ کالج انجمن خیر الاسلام میں لکچرر ہیں۔ یہ تاریخی دن کی تاریخی یادگاریں تھیں جو ہمیشہ کے لئے لوح دل پر منقش ہوگئیں اور مسرتوں کا ایک لاوا پھوٹ پڑا۔ اس یادگار تاریخ، یادگار اجتماع اور یادگار ملاقاتوں کے باعث دل و دماغ کی جو عجیب و غریب کیفیت ہوئی اس کا اظہار الفاظ سے ممکن نہیں۔

مگر آج رات کا جلسۂ عام جو حسب سابق وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میدان میں منعقد ہوا، سابقہ تمام جلسوں پر بازی لے گیا بلکہ صحیح معنی میں یہ مسلمانان ہند کی تاریخ کا ریکارڈ توڑ اجتماع تھا۔ لوگوں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ اس وسیع میدان میں تل دھرنے کے لئے بھی جگہ باقی نہ رہ گئی تھی، اور انسانی سروں کے ریلوں کے ریلے برابر بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اطراف و اکناف کی سڑکیں تک پر ہوگئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بحیرۂ عرب کے کنارے انسانی سروں کا ایک دوسرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس تاریخی اجتماع میں ایک لاکھ سے زیادہ فرزندان توحید جمع تھے جو شریعت اسلامیہ کی شمع پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے تھے۔

ہم چراغ شریعت کو بجھنے نہیں دیں گے

اس عظیم الشان اور روح پرور جلسہ کی صدارت عالم اسلام کے نامور عالم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حصہ میں آئی۔ قاری عبدالخالق صاحب کی قرأت سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری ابراہیم سلیمان سیٹھ نے اپنی افتتاحی اور شعلہ بار تقریر میں فرمایا کہ آج جب میں فرزندان توحید کے اس روح پرور اجتماع کو دیکھ رہا ہوں تو مجھے یقین ہو رہا ہے کہ مستقبل نہایت شاندار اور تابناک ہوگا۔ فرزندان توحید کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اعلان کر رہا ہے کہ وہ آج بیدار ہوگیا ہے۔

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ   اُمت مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

آپ نے فرمایا کہ اس وقت خطرہ صرف مسلم پرسنل لا کو نہیں، خطرہ مسلمانوں کے نظام حیات اور ملی وجود کو درپیش ہے۔ آزادی کے بعد سے ابتک منظم سازشیں کی جارہی ہیں اور فسادات کے ذریعہ مسلمانوں کو دہشت زدہ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے تہذیب تمدن اور زبان کے بعد اب عقائد و تصورات کو بھی ختم کردینے کی چالیں چلی جارہی ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کو ختم کر دیا گیا۔ دستور میں تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جا رہا ہے۔ جب نمک خوار یہاں سے اور وہاں سے آواز دیتے ہیں، تو حکومت انہیں پناہ دیتی ہے۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یکساں سول کوڈ کو نافذ کیا جائے۔ جب حکومت دیکھتی ہے کہ مسلمان بیدار ہوگیا تو کہتی ہے کہ مسلمان چاہیں تو پرسنل لا میں ترمیم کی جائے گی۔ ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہوا کا رخ کدھر ہے، حکومت کیا چاہتی ہے اور زمانہ ہمیں کس چیز کا چیلنج دے رہا ہے۔ اگر ہم نے راہ فرار اختیار کی تو حالات ہمیں کچل کر رکھ دیں گے۔ نعروں اور جلسوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ قربانی جذبہ سے پیدا کرنی چاہئے۔

جمعیت اہلحدیث کی جانب سے مولانا داؤد راز نے کہا کہ اسلامی قوانین اٹل ہیں۔ چودہ سو سال سے ان میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور قیامت تک کوئی رد و بدل نہیں ہوسکتا۔ مجمع ہمہ تن گوش متوجہ اور پورے سکون کے ساتھ تقریروں کی

سماعت کر رہا تھا۔ مسلم لیگی رہنما مولانا ضیاءُالدین بخاری صاحب برموقع اشعار کے ذریعہ اناؤنسنگ کرتے ہوئے تقریروں میں مزید حسن اور نکھار پیدا کر رہے تھے۔

سابق جسٹس شبیر احمد سعید نے دستور اور قانون ہند کے حوالہ سے بتایا کہ آرٹیکل ۴۴ کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ شرعی قانون میں کمی بیشی کی ضرورت ہے گر ہمارے بھائیوں کا نصب العین یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ دیسے تو ملک میں ہم تعزیرات ہند، قانون انتقال، قانون شہادت، انکم ٹیکس وغیرہ تمام قوانین کی پابندی کرتے ہیں اب صرف تین چار امور مثلاً ترکہ، طلاق، شادی، مہر اور اوقاف کے قوانین کو بھی ختم کیا جارہا ہے۔ مسلمان ان باتوں کو کسی صورت کسی قیمت پہ برداشت نہیں کر سکتے۔

آپ نے فرمایا کہ پارلیمنٹ میں بچے کو گود لینے کا بل پیش کیا گیا ہے۔ پبلک ٹرسٹ بل آئینر کمیٹی کی سفارش کو بالائے طاق رکھتے ہوئے منظور کیا گیا ہے۔ اس میں سکھوں کے گردواروں کو مستثنیٰ رکھا گیا، اور مسلم اوقاف کو شامل کیا گیا ہے۔ کل

مسلمانوں سے کل مُردوں کو جلانے کا بھی مطالبہ کیا جاسکتا ہے

مسلمانوں سے مطالبہ کیا جائے گا کہ تم اپنے مُردوں کو دفن کرنے کے بجائے جلایا کرو۔ اس کے بعد کہا جائے گا کہ عبادت کے مسجدوں میں جانے کے بجائے مندروں میں آیا کرو۔ اس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دین و مذہب کو ختم کرکے رکھ دیا جائیگا۔
نیز موصوف نے عورتوں کی تعلیم و تربیت پہ خصوصی زور دیا۔

جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری مولانا سید حامد حسین نے اپنی تقریر میں سوشلزم کے حامیوں کو للکارتے ہوئے کہا کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جس میں عقائد، سیاست، معیشت، اخلاق، تہذیب و تمدن غرض ہر قسم کا نظام موجود ہے۔ اور پرسنل لا نظام اسلامی کا جزو لاینفک ہے۔ دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ جو اتھارٹی قانون بناتی ہے وہی ترمیم کی بھی مجاز ہوتی ہے۔ شریعت خدا کی بنائی ہوئی ہے، لہٰذا اس میں ترمیم کا حق بھی خدا ہی کو ہے، نہ کہ کسی اور کو۔

مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نے فرمایا کہ سرزمین بمبئی پر کنونشن کے ذریعہ جو کام انجام پایا ہے وہ تحریک خلافت کے بعد سے آج تک انجام نہیں پایا تھا۔ ہم اردو کے معاملے میں اس لئے بے چین ہوئے کہ ہماری زبان چھینی جارہی ہے اور پرسنل لا کے بارے میں اس لئے بے چین ہیں کہ ہمارا ایمان چھینا جارہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صرف نعرے کافی نہیں، قوم میں تعمیری جذبہ ہونا چاہیئے۔ صرف جوش و خروش اور نعروں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

بمبئی پردیس کانگریس کمیٹی کے سابق صدر جناب عبدالقادر حافظکا صاحب نے فرمایا کہ مسلمان خواہ کتنا ہی اچھا یا بُرا ہو شریعت کے لئے اس کے دل میں درد ہے۔ میری سمجھ میں دو نکات آئے ہیں۔ پہلی بار ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں اپنے خیالات والے ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کے تمام مسائل ایک پلیٹ فارم سے حل کئے جائیں موصوف نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ شرکائے اجلاس سے اپیل کی کہ کوئی بھی اس اجتماع کو سیاسی مفاد کے لئے استعمال نہ کرے، دوسری بات یہ کہ ہمیں جوش کے ساتھ ہوش کی بھی ضرورت ہے۔ ہم میں تدبر اور تنظیم کی کمی ہے۔ اسلام کے اصولوں کو

قائم رکھنے کے لئے ملت کی ایک پلیٹ فارم پر ایک تنظیم کی ضرورت ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھنے کے بجائے ہم کو اپنے آپ میں رواداری پیدا کرنی چاہیئے۔ اگر تمام مذہبی لیڈر یکجا ہو جائیں تو کوئی طاقت ہمارے قوانین میں مداخلت نہیں کر سکتی۔

علیگڑھ کے بعد مسلم پرسنل لا کے خاتمے کی سازش کیجا رہی ہے۔

صدر جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا کہ جب سے مسلمانوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا انہوں نے شریعت اسلامی کو اپنے سینے سے لگائے رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے سارے عالم اسلامی کی سیاحت کی ہے۔ وہاں بھی اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ ہندستانی مسلمانوں نے شریعت اسلامی کے چراغ کو بجھنے نہیں دیا۔ اسلامی ممالک کے بڑے بڑے جید علماء اس کی قدر کرتے ہیں۔ ہم ہندوستان میں شریعت اسلامی کو زندہ رکھیں گے اور چراغ شریعت کو بجھنے نہیں دیں گے۔ مولانا نے فرمایا یکساں سول کوڈ کے ذریعہ فسادوں ہنگاموں اور نفرت و بغض کا خاتمہ کرنے کی دلیل پیش کرنا ایک فراڈ ہے۔ یہ کہنا بہت بڑا مغالطہ ہے کہ یکساں سول کوڈ خوشحالی لائے گا۔ اس سلسلے میں آپ نے پہلی جنگ عظیم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس جنگ کے دوران ایک ہی قوم کے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے گو کہ ان کا سول کوڈ اور قانون ایک تھا۔ اس طرح یکساں سول کوڈ کو محبت و مروت کا ذریعہ قرار دینا ایک سیاسی فراڈ ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اگر مردم شماری کی طرح فرقہ وارانہ فسادات اور ہنگاموں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اصل سبب قوانین میں اختلافات نہیں بلکہ اصل چیز دولت سے انسان کی محبت ہے۔ پارلیمان کو پہلے انسانیت نوازی اور آپسی بھائی چارگی کے لئے اقدامات کرنا چاہیئے۔ حکومت کو چاہیئے کہ برائیوں اور نفاق کی صحیح بنیادیں تلاش کرے۔

مسلم لیگی رہنما مولانا ضیاءالدین صاحب بخاری نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اسلام کے قوانین اپنی جگہ اعلیٰ و ارفع اور اکمل ہیں۔ مثال کے طور پر شرعی حیثیت سے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اس سزا کا ردعمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس ملک میں اسلامی قوانین رائج ہیں وہاں چوری کے واقعات بہت ہی کم ہو پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عام طور پر یہ خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر پرسنل لا میں ترمیم نہ کی گئی تو ہندستانی مسلمانوں کی آبادی بڑھ جائے گی۔ یہ خدشہ قطعی غلط ہے کیونکہ اضافہ آبادی کا تعلق تعدد ازدواج سے نہیں ہے۔

جناب صلاح الدین اویسی صاحب نے اپنی ولولہ انگیز تقریر میں فرمایا کہ پرسنل لا کا جب بھی مسئلہ آتا ہے تو پاکستان کی مثال دی جاتی ہے اور ہم پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ ہماری نظریں پاکستان پر ہیں۔ آپ نے الزام لگایا کہ مسز اندرا گاندھی نے پہلے غریبی ہٹاؤ کا نعرہ لگایا اور اب مذہب ہٹاؤ کا نعرہ لگا رہی ہیں۔

اگر اندرا جی عورتوں کی ترقی کا دعویٰ کرتی ہیں تو ان پیشہ ور عورتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جو غربت و افلاس سے مجبور ہو کر عصمت فروشی تک پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ نیز انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک لائحۂ عمل مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف اخبارات میں اپیلیں کر دینا کافی نہ ہوگا۔

عربوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر اویسی نے کہا کہ مٹھی بھر اسرائیلیوں کے ہاتھوں عربوں کو شکست کھانی پڑی۔ اور اس

سلسلے میں امریکی امداد کا جواز پیش کیا جاتا ہے۔ مگر یہی امریکی جب ویٹنام پر حملہ کرتے ہیں تو انہیں ویٹنامیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کامیابی کے لئے ہمت و جرأت اور جد و جہد کی ضرورت ہے۔

مولانا ارشد الحق درس آل انڈیا سنی جمعیت العلماء نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم نے آج تک اپنے ساتھ کی گئی ناانصافیوں کے خلاف تخریب کا راستہ اختیار نہیں کیا اور ہمیشہ تعمیر وطن کی فکر میں منہمک رہے۔ اب تک ہمارے ساتھ جو ناانصافیاں اور زیادتیاں کی گئیں ان کا راست تعلق مذہب و عقیدے سے نہیں تھا۔ لیکن اب شریعت اسلامیہ میں ترمیم و تنسیخ کا معاملہ بالراست ہمارے مذہب، عقیدہ اور ایمان سے تعلق رکھتا ہے، جس کے تحفظ کے لئے ہم ہر ممکن راستہ اختیار کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔

یہ عظیم الشان اور تاریخی جلسہ رات گئے تک جاری رہا اور مقررین اپنے پرجوش اور معرکۃ الآرا خطابات کے ذریعہ سامعین کے دل و دماغ کو گرماتے اور ان کے سینوں میں نور ایمان بھرتے رہے۔ ایک عجیب و غریب اور وجد آفریں نظارہ تھا۔

کنونشن کے اختتام کے بعد بھی کچھ دنوں بمبئی میں رہنے کا اتفاق ہوا اور حسب ذیل حضرات سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں، مولانا سید احمد عروج قادری صاحب مدیر زندگی، مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی، جناب فضل حسین صاحب ایم اے ایل ٹی۔ جناب یوسف پٹیل صاحب۔ اور جناب عبدالستار شیخ صاحب (کنوینر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) مولانا ابراہیم صاحب عمادی ندوی، مولانا خلیل احمد صاحب جامعی۔ مولانا عبدالحمید صاحب ندوی۔ مولانا سید مرغوب صاحب امام مسجد نورباغ، مولوی خلیل احمد ندوی محمد دانش صاحب لائبریرین صابو صدیق پالی ٹکنیک ہائی سکول۔ مولانا قاری سعید صاحب امام مسجد کھوکھا بازار۔ مولوی عبدالحفیظ ندوی۔ جناب عثمان غنی صاحب منیجر جماعت اسلامی بمبئی۔ جناب شہاب بانکوئی صاحب۔ جناب عبداللہ انتولے صاحب۔ جناب عبدالوحید صاحب مکتبہ اسلامی۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی مقیم مکہ کے صاحبزادے مولوی سید ضیاء اللہ، جناب عبداللطیف صاحب عمرجان کمپونڈ۔ جناب علی جواد صاحب، مولوی اسحٰق ولی پٹیل ندوی، مولوی محفوظ الرحمٰن ندوی مبارکپوری، مولانا قاری سید افتخار احمد صاحب امام مسجد باندرہ، مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی امام مسجد حمیدیہ، مولوی نسیم احمد ندوی۔ مولوی محمد عمر صاحب ندوی مولوی حامد حسن ندوی دسنوی، مولوی عبدالمجید ندوی بھٹکلی۔ حافظ منور خان صاحب اور میرے ایک اور ہم کلاس مولوی شمیم صاحب ندوی الہ آبادی ایم اے وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے میں خصوصیت کے ساتھ مولوی عبدالحمید صاحب ندوی، مولوی عبدالحفیظ صاحب دلشاد ندوی۔ مولانا سید مرغوب صاحب، جناب عبداللطیف صاحب اور مولوی غلام جیلانی ندوی کی عنایات و نوازشات کا بیحد ممنون ہوں۔

بہرحال بمبئی کا سفر بے شمار فوائد کا حامل رہا اور ہر حیثیت سے مفید و کامیاب۔

احوال و کوائف

آل انڈیا مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی کا دورہ

جناب شفیق الرحمن صاحب ایڈوکیٹ (لکھنؤ) کی قیادت میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے تعلق سے ہندوستانی رائے عامہ کو ہموار کرنے کی غرض سے ایک وفد پورے ملک کا دورہ کرتے ہوئے ۲۸ جنوری ۱۹۷۳ء کو بنگلور پہنچا۔ شام میں ایک شاندار جلسہ عام چھوٹے میدان میں منعقد کیا گیا تھا جس میں ہزاروں آدمیوں نے ذوق و شوق کے ساتھ شرکت کی۔ فاضل مقررین نے مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کی قائم کردہ اس یونیورسٹی پر حکومت وقت کا وار دراصل جمہوری اقدار و روایات، اقلیتوں کے بنیادی حقوق و سیکولرزم پر ایک وار ہے۔ جمہوریت کے نام پر کی جانے والی اس بے انصافی کو روکا نہ گیا تو دنیا کی اس عظیم ترین جمہوریت ہی کو خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ملک سے امن و امان اٹھ جائے گا اور اس ملک کا اتحاد ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اس ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کو قائم رکھنے کے لئے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کو ہر قیمت پر حاصل کیا جائے گا۔

اس جلسہ کو حسب ذیل حضرات نے خطاب فرمایا۔ سید امین الحسن رضوی، جناب شفیق الرحمن، اختر الواسع سید کلب عباس۔ عبدالعزیز میمن۔ مفتی ضیاء الحق، غوث خاموشی، حبیب جاوید اور سیتا رام دویدی۔

ھدیۂ مبارکباد

الحمد للہ امسال دنیا کے مختلف ممالک سے، جو خوش نصیب بندے مکۂ معظمہ پہنچے، ان کی تعداد سعودی حکومت کے اعداد و شمار کی رُو سے ۶،۴۵،۱۸۲ ہے اور ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۷۳ء کو جن حجاج کرام نے وقوف عرفہ کیا ان کی تعداد عربی اخبارات کے اعلان کے مطابق ۱۲ لاکھ ۱۶ ہزار ہے۔ ہمارے ملک سے ۱۸،۳۰۶ حضرات حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ریاست میسور اور شہر بنگلور کے حجاج کرام میں ہمارے کئی احباب اور فرقانیہ اکیڈیمی بنگلور کے خیر خواہ بھی شامل تھے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں :-

حضرت مولانا ابو سعود احمد صاحب (صدر فرقانیہ اکیڈمی) مولانا بشیر ربانی صاحب (نائب صدر) ابراہیم خلیل اللہ خان صاحب (رکن مجلس منتظمہ) مولانا عبد الباری صاحب عمری۔ مولوی محمد خلیل صاحب عمری۔ جناب پی۔ اے۔ اکبر شریف صاحب (امیر تبلیغی جماعت بنگلور) علی نواز خان صاحب۔ خواجہ محی الدین صاحب، ایس ایم احمد تاج صاحب، فاروق احمد صاحب، سید مصطفےٰ صاحب، محمد نور اللہ صاحب محمد سعید اللہ شریف صاحب، امیر احمد صاحب، حبیب خان صاحب باشو۔ اور عبد الرحمٰن صاحب قریشی وغیرہ۔

ادارہ جملہ حجاج کرام کی خدمت میں ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ رب کعبہ سب کو اپنے خصوصی انعامات سے نوازے۔

معلوم ہوا کہ بنگلور کے نامور ایڈوکیٹ جناب **محمد صالح صاحب انصاری** کا وصال فریضۂ حج کے بعد منیٰ میں ہو گیا اور مکۂ معظمہ میں تدفین عمل میں آئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Declaration

ماہنامہ تعمیر فکر کی رجسٹری کے بارے میں ضروری

اعلان

۱۔ مقام اشاعت: ۱۴۲ پولیس روڈ۔ بنگلور ۲
۲۔ وقفہ اشاعت: ماہنامہ
۳۔ پرنٹر کا نام: عبدالرب شریف
قومیت: ہندستانی
پتہ: ڈاکٹر عمر شریف روڈ۔ بنگلور ۴
۴۔ پبلشر کا نام: سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی
قومیت: ہندستانی
پتہ: ۱۴۲ پولیس روڈ۔ بنگلور ۲
۵۔ ایڈیٹر کا نام: محمد شہاب الدین ندوی
قومیت: ہندستانی
پتہ: ۱۴۲ پولیس روڈ۔ بنگلور ۲

میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کی حد تک صحیح ہیں۔

(دستخط) محمد شہاب الدین ندوی

۶۔ ملکیت: فرقانیہ اکیڈمی

PHONE :
22481.
28779.

مسلم پرسنل لا نمبر کے اجراء پر

میسرز حاجی ابراہیم اسحٰق اینڈ سنس

پوسٹ بکس نمبر 7629 چک پیٹ بنگلور 560053

مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

بنّی گروپ آف ملس کے چیف سیلنگ ایجنٹ

برائے میسور سٹیٹ اور آندھرا پردیش

پارچہ جات کی دنیا میں BINNY ایک عظیم نام ہے

جو جنگ اور امن کی حالت میں قوم کی خدمت کرتا رہا ہے۔

بنّی کے تیار کردہ پارچہ جات مثلاً خاکی ڈرل اور خاکی میٹی وغیرہ

یونیفارم لباسوں کیلئے بہترین تسلیم کئے جاتے ہیں۔

ہر قسم کے پارچہ جات کے لئے بنّی کا
نام ہی آپ اپنی ضمانت ہے

کارخانوں میں کام کرنیوالوں کیلئے
بھی اور اسکولی بچّوں کے لئے بھی

ہول سیل ڈسٹری بیوٹرس

فون نمبر: 28996

برائے بنّی گروپ آف ملز

پوسٹ بکس نمبر 7540 چک پیٹ بنگلور 560053

تعمیر فکر کی پہلی سالگرہ

"مسلم پرسنل لا نمبر مع بمبئی کنونشن" جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے' یہ ہمارا گیارھواں اور بارھواں (مشترکہ) شمارہ ہے۔ اس خصوصی اور یادگار تاریخی نمبر پر ہم اپنا ایک سال مکمل کر کے رسالے کی پہلی سالگرہ منا رہے ہیں۔

مقام شکر ہے کہ اس مختصر سے وقفہ میں دینی' ملی' ملکی' اخلاقی اور جدید علمی مسائل پر ہم نے جو مختصر معیاری اور صحت مند مواد پیش کیا' اہل علم نے اس کی قدردانی کی اور ہماری حقیر سی کوششوں' کو سراہتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کی۔

اب تک ہم نے جن مستقل موضوعات پر قلم اٹھایا ہے' وہ یہ ہیں:۔

پیام قرآن۔ تعارف قرآن' اعجاز قرآن۔ معارف القرآن' سیرت طیبہ' مسائل امروز' اصلاح معاشرت' دین کی باتیں' فکر و نظر' ملی مسائل' معلومات عامہ' اکتشافات جدیدہ' حالات حاضرہ' عالم اسلام' ادبیات' باب الافتاء۔ جنوب کے ادارے' اصلاحی افسانہ' عظمت رفتہ' تعارف و تبصرہ' عربی سیکھئے' شخصیات' عورتوں کے صفحات' طب و سائنس' احوال و کوائف' مکتوبات اور اڈیٹر کی ڈاک وغیرہ وغیرہ۔ اب آئندہ ہم مشہور شخصیتوں کے انٹرویو بھی شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ بعض احباب کی رائے ہے کہ سیاست حاضرہ اور ادبیات پر مستقل مضامین ہونے ضروری ہیں۔

جنوری کے شمارے میں ہم نے اپنے قارئین سے جو مشورہ طلب کیا تھا اس کے متعلق بعض اصحاب نے یہ رائے دی ہے کہ رسالے کی قیمت موجودہ معیار کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ لہٰذا چند صفحات کا اضافہ کر کے اس کی قیمت فی شمارہ ایک روپیہ کر دی جائے' لیکن ہم سوچ رہے ہیں' کہ پچاس پیسے کی بجائے اچانک ایک روپیہ کر دینے سے قارئین پر بھی بار پڑیگا اور ادارہ کا بھی کافی نقصان ہوگا کیونکہ جن لوگوں سے ہم نے ابتک پانچ روپئے لئے ہیں ان کو۔ موجودہ مدت خریداری کے اختتام تک ـــــ اسی قیمت پر رسالہ دینا پڑے گا اور ایسے خریداروں کی تعداد پانچسو سے زیادہ ہے' ـــــ تو اس صورت میں ہم کو لگ بھگ دو ڈھائی ہزار روپیوں کا نقصان برداشت کرنا پڑیگا۔ لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ بجائے اچانک فی پرچہ ایک روپیہ کرنے کے فی الحال فی پرچہ ۷۵ پیسے اور سالانہ آٹھ روپئے قیمت رکھی جائے۔ پھر کچھ مہینوں کے بعد فی پرچہ ایک روپیہ اور سالانہ دس روپئے کی جائے۔ مگر اس صورت میں بھی ہم کو ہزار سوا ہزار کا گھاٹا ہوگا اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ادارہ مقروض اور پریشان حال ہے۔ لہٰذا اگر کچھ ہمدردان ملت ہمارے نقصان کی تلافی کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو ہماری مشکلات رفع ہو سکتی ہیں۔ تاکہ ہم جس عظیم مشن کو لے کر اٹھے ہیں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ نیز اپنے دوست احباب کو بھی ادارہ کی سرپرستی کی طرف متوجہ فرمائیے۔ جو حضرات سالانہ چندہ پانچ یا چھ روپئے ادا کر چکے ہیں ان سے درخواست ہے کہ از راہ کرم اضافہ شدہ رقم رضاکارانہ طور پر منی آرڈر کر کے ہمارے بوجھ کو ہلکا کریں۔

تعمیر فکر کے عام شماروں اور موجودہ خصوصی نمبر پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمائیے کہ اس رسالے میں آپ مزید کن چیزوں کا اضافہ چاہتے ہیں' ہم یقیناً آپ کی خواہشات اور مشوروں کا خیر مقدم کریں گے۔ (ادارہ)

فرقانیہ اکیڈمی کی تازہ کتاب
اسلام اور عصر حاضر
از
محمد شہاب الدین ندوی
یہ عظیم الشان کتاب محمد شہاب الدین ندوی کے ان علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف
علمی رسائل و جرائد میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں اور ان کی اشاعت سے علمی دنیا میں
دھوم مچ گئی ہے۔ یہ مقالات وقت کے اہم ترین موضوعات پر قرآنی و اسلامی نقطۂ نظر
پیش کرتے اور عالم انسانی کی ذہنی و فکری حیثیت سے رہنمائی کرتے ہیں۔ الحاد و لادینیت کی تردید
میں یہ بہترین مقالات تسلیم کئے گئے ہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک زندہ اور
لافانی مذہب ہے، جو قیامت تک ہر دور کے تقاضہ کے مطابق نوع بشری کی رہبری کر سکتا ہے۔
بعض مقالات کے عناوین یہ ہیں :-
▲ قرآن اور جاہلیت کا کلام
▲ اسلام کی دعوت سائنس کی روشنی میں
▲ قرآن اور خلائی مظاہر
▲ فرعون اور خروشیف
▲ انسانیت دوراہے پر
▲ قرآن حکیم اور اکتشافات جدیدہ
▲ قیامت اور علم جدید
▲ قرآن اور خلائی پرواز
▲ معراج اور خلائی پرواز
▲ اسلام اور تعمیر سیرت
یہ کتاب زیر طبع ہے جو ڈمی سائز ۱۸×۲۲/۸ کے تقریباً دو سو ۲۰۰ صفحات پر مشتمل اور مجلد
مع گرد پوش ہوگی۔ قیمت ساڑھے چار روپئے اور محصول ڈاک ڈیڑھ روپیہ = کل چھ ۶ روپئے ہوگی۔ لیکن ۱۵ اپریل ۱۹۷۳ء
تک جو حضرات صرف پانچ روپئے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے ان کی خدمت میں یکم مئی تک یہ کتاب بذریعہ رجسٹری بھیجی جائیگی۔
شہر بمبئی میں ہمارے سول ایجنٹ
ماہنامہ تعمیر فکر — اور — فرقانیہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات
" المیزان " بکس اینڈ اسٹیشنری
نزد کاف نظاری ۱۶۳ ابراہیم رحمت اللہ روڈ سے خریدیے

چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں

از محمد شہاب الدین ندوی

اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی علمی و تحقیقی کتاب جو موجودہ مادہ پرستانہ چیلنج کے جواب میں لکھی گئی ہے اور خلائی دور کے اُبھرتے ہوئے سوالوں کا جواب دیا گیا ہے۔ خلائیات پر متعدد عکسی تصاویر۔ مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے ایک ولولہ انگیز اور عہد آفریں کتاب، صفحات ۲۷۲

قیمت مجلد مع حسین دورنگا گرد پوش صرف ۴/- کاغذی مجلد ۳/۵۰

ایک تبصرہ:-

چاند پر انسانی قدم کی رسائی بلاشبہ ایک نہایت حیرت انگیز اور انسانی فکر و جستجو کا شاندار ترین کارنامہ تھا۔ سائنس کی اس عظیم الشان کامیابی کے بعد لازمی طور پر اس سلسلے میں مذاہب و ادیان کے افکار و نظریات بھی زور و شور سے زیر بحث آئے۔ مذہب کے دشمنوں نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھا کر مذہب کو بدنام اور رسوا کرنا شروع کر دیا اور کہا جانے لگا کہ اب مذہب کے "فرسودہ نظریات" کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی اور سائنس نے اس کی ساری قلعی کھول دی ہے۔ حالانکہ اس واقعی عظیم الشان کامیابی کا مذہب سے براہ راست یا بالواسطہ کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ نہ اس سے مذہب کے تصورات پر کوئی زد ہی پڑتی تھی۔ البتہ ان مذاہب پر کوئی زد پڑ سکتی ہے جو چاند کی پرستش، اسے معبود و سجدہ کرتے ہیں۔ یا جو اس قسم کے خود ساختہ تصورات رکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بقول "عقل صحیح اور دین صحیح میں کبھی تصادم اور تضاد واقع نہیں ہو سکتا"۔ اسلام جیسے آفاقی دین محکم پر ظاہر ہے اس واقعہ سے کوئی زد پڑ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اسلام انسانی ہدایت کے لئے آیا۔ قرآن نوع بشر کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے نہ کہ سائنسی انکشافات کے لئے۔ لہٰذا یہ موضوع اس کے دائرہ میں آتا ہی نہیں۔ ضرورت تھی کہ اس حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا۔

مولانا شہاب الدین ندوی نے اس کتاب میں اس اہم ضرورت کی تکمیل کی کامیاب کوشش کی ہے۔ کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز مقدمہ ہے۔ مصنف نے اس موضوع کا کتنی گہرائی سے جائزہ لیا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے اس کے ابواب و عنوانات پر ایک نظر ڈالنا ہی کافی ہوگا۔ لاشبہ مصنف نے کافی کاوش و عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ البتہ لہجہ کہیں استدلال سے ہٹ کر جوش کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ بہرحال یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے جس کا مطالعہ مسلم و غیر مسلم حضرات کے لئے یکساں مفید ہوگا

(سہ روزہ دعوت دہلی ۱۹ جون ۱۹۷۱ء)

اکیڈمی کی دیگر مطبوعات:-

		قیمت
قرآن کا پیغام ہندی مسلمانوں کے نام	(از محمد شہاب الدین ندوی)	۷۵/=
اسرار نبوت سائنٹفک نقطۂ نظر سے	(")	" ۷۵/=
اسلام اور جدید سائنس	(")	" ۵۰/=
نظریۂ اشتراکیت	(")	" ۴۰/=

فرقانیہ اکیڈمی بنگلور

جنوبی ہند میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ

صورتِ حال یہ ہے کہ اس وقت پورے جنوبی ہند میں ایسا کوئی جامع ادارہ موجود نہیں ہے، جو بیک وقت مدرسہ۔ لائبریری۔ دارالمطالعہ، تصنیفی مرکز، دارالترجمہ، دارالاشاعت، اور مکتبہ پر مشتمل ہو۔ لہٰذا ہم نے سرتوڑ جد و جہد کے بعد بنگلور میں **فرقانیہ اکیڈمی** کے نام سے ایسا ہی جامع ادارہ قائم کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے مدرسہ میں جو

"فرقانیہ ایوننگ کالج"

کے نام سے چل رہا ہے۔ نوجوانوں اور خصوصیت کے ساتھ مختلف کالجوں کے طلباء کو عربی زبان اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ **لائبریری** فی الحال تقریباً ایک ہزار بہترین اور قیمتی اسلامی کتابوں پر مشتمل ہے۔

دارالمطالعہ میں ہندوستان بھر کے بڑے بڑے اخبارات و رسائل آتے ہیں۔

تصنیفی مرکز وقت کے اہم موضوعات پر کتابیں شائع کر رہا ہے۔ اب تک کئی ایک علمی کتابیں شائع کر کے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

دارالترجمہ انگریزی اور کنڑا زبان میں اسلام کا تعارفی لٹریچر تیار کر رہا ہے خصوصیت کے ساتھ کنڑا زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر بھی شائع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو ان شاء اللہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

غرض جنوبی ہند میں ایک اہم اور عظیم الشان ادارہ کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے۔ ادارہ پر فی الحال ماہانہ ایک ہزار روپیوں سے زیادہ خرچ آرہا ہے جو بتدریج بڑھ رہا ہے۔ ہمارے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ فوری طور پر اکیڈمی کا ذاتی پریس قائم کرنے اور ذاتی عمارت تعمیر کرنے کی شدید حاجت ہے، جس کے بغیر ہمارے منصوبوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنانا بہت دشوار ہے۔ ادارہ کا کوئی مستقل فنڈ یا سرمایہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمدردانِ ملت سے مخلصانہ گذارش ہے کہ ادارہ کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے دامے، درمے، سخنے، قدمے امداد و اعانت کر کے ہماری ہمت افزائی کریں اور حسبِ استطاعت ماہانہ و سالانہ عطیہ جات سے نواز کر ہماری عظیم تحریک کو پروان چڑھائیں، تاکہ عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق ہم دینِ اسلام کی صحیح خدمت کر سکیں۔

وما علینا الا البلاغ

فرقانیہ اکیڈمی کا دفتر
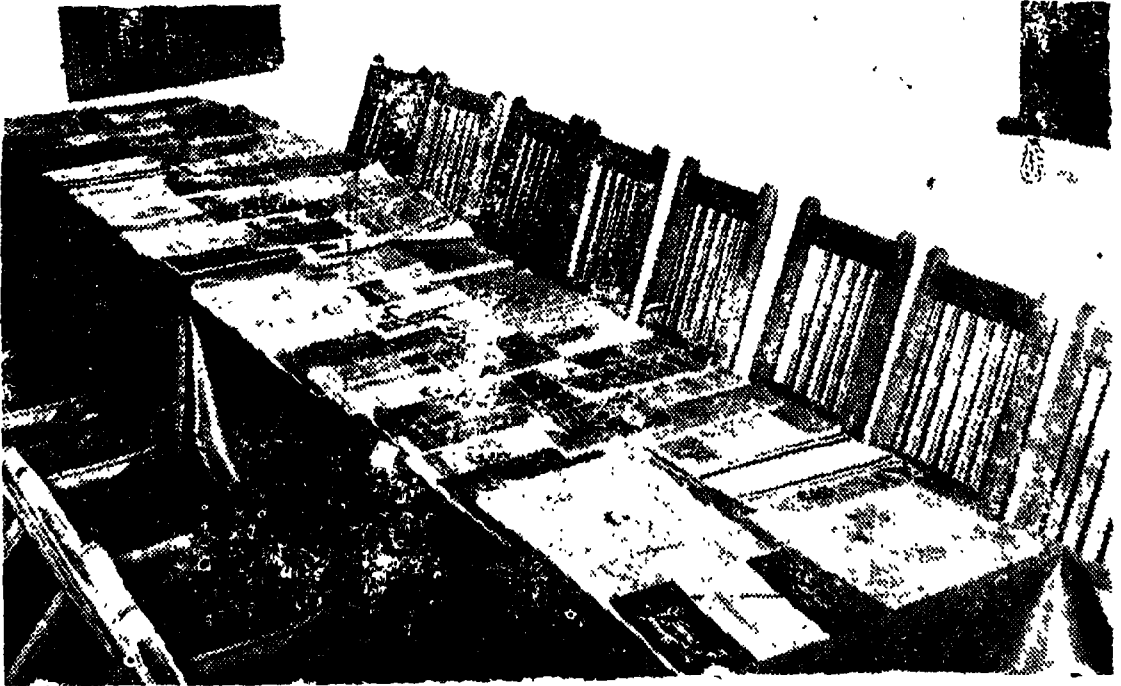
اکیڈمی کا دار المطالعہ جس میں فی الحال فرقانیہ ایوننگ کالج بھی چل رہا ہے

Regd. No. B. G. 214 R. N. No. 22543/72

THE MONTHLY

TAMEER-E-FIKR

164, POLICE ROAD, BANGALORE-2

Editor : Mohd. Shihabuddin Nadvi

Vol. 2] March & April 1973 [No. 5, 6

Title Printed at International Printers, Bangalore-2.